درودِ تاج
پر
اِعتراضات کے جوابات
از قلم
غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں
امام اہلسنت حضرت علامہ
سید احمد سعید کاظمی نوراللہ مرقدہ
ناشر
بزم سعید
جامعہ انوار العلوم ملتان

درودِ تاج

پر

اعتراضات کے جوابات

ـــــ: از قلم: ـــــ

امامِ اہلسنّت غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں
حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

کاظمی پبلیکیشنز
مدرسہ انوار العلوم ○ کچہری روڈ ○ ملتان

نام کتاب	:	درود تاج پر اعتراضات کے جوابات
مصنف	:	امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد	:	۱۱۰۰
بار	:	سوم
صفحات	:	۱۲۴
ہدیہ	:	۷۵ روپے
ستمبر	:	2010ء
بائینڈنگ	:	بھٹی بک بائینڈنگ ہاؤس پرانی غلہ منڈی ملتان

ملنے کا پتہ

مکتبہ مہریہ کاظمیہ متصل جامعہ اسلامیہ انوار العلوم، ملتان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور۔ کراچی

فرید بک سٹال، ۳۸ اردو بازار، لاہور

اسلامک بک کارپوریشن، فضل داد پلازہ، اقبال روڈ، نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی

مکتبہ حاجی نیاز احمد، بوہڑ گیٹ، ملتان

احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ، نزد کمیٹی چوک، راولپنڈی

مکتبہ حسنیہ، نزد سبزی منڈی، بہاولپور

المدینہ کتب خانہ بالمقابل اے سی آفس علی پور مظفر گڑھ

مکتبۃ المدینہ، اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان

المدنی کاظمی کیسٹ ہاؤس۔ دربار عالیہ کاظمیہ شاہی عیدگاہ ملتان

نوٹ:۔ مفت تقسیم کرنے والے کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔

عرضِ ناشر

زیرِ نظر رسالہ دراصل جواب ہے جعفر شاہ پھلواروی کے ایک کتابچے کا جو بُنیادی طور پر دُرودِ تاج کی مخالفت میں لکھا گیا تھا لیکن جس میں دعائے حزب البحر، نادِ علی، لی خمسۃ جیسی ادعیہ و اَوراد پر بھی بزعم باطل بڑھ چڑھ کر اعتراض کیے گئے تھے۔ فریقِ مخالف کے خیال میں اس کتابچے میں کیے گئے اعتراضات کا جواب قیامت تک ممکن نہ تھا ——

امامِ اہلسنّت غزالیٔ زماں حضرت علاّمہ سیّد احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ العزیز نے مذکورہ کتابچے کے جواب میں زیرِ نظر رسالہ لکھ کر یہ ثابت فرما دیا کہ فریقِ مخالف کے وزنی سے وزنی اور مشکل سے مشکل اعتراضات کتنے بے وقعت ہیں۔ مقامِ نبوّت و ولایت کے تحفّظ میں لکھے گئے اس رسالے کو پڑھیے اور اپنے قلوب کو عشقِ بارگاہِ نبوّت و ولایت سے معمور و منوّر کیجیے ——

زیرِ نظر کتاب میں استمدادِ اولیاء کو شرک کہنے والوں کے ردِّ بلیغ کے ساتھ معجزہ و کرامت کے فوق الاسباب یا تحت الاسباب ہونے اور خارقِ عادت پر نبی و ولی کے قدرت و اختیار جیسے کئی معرکۃ الآراء مسائل پر اہلسنّت و جماعت کا نقطۂ نظر امامِ اہلِ سُنّت نے اپنے مخصوص نپے تلے انداز میں مختصراً جامع الفاظ میں واضح فرمایا ہے جس کی نظیر موجودہ دَور کی تحریروں میں شاید ہی کہیں ملے ——

یہ رسالہ اس اعتبار سے بھی ہمارے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے کہ یہ حیاتِ ظاہری کی سب سے آخری تحریر ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ اس رسالے کی تبییض حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے مکمّل ہو گئی تھی۔ کتابت و تصحیح اور طباعت کا کام حضرت کے وصال کے بعد انجام پایا۔

آخر میں ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت کے درجات بلند فرمائے اور فقیر راقم الحروف کو حضرت علیہ الرحمۃ کے نقشِ قدم پر چل کر آپ کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

فقیر سیّد مظہر سعید کاظمی غفرلہٗ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ نہایت رحمت والے بے حد رحم فرمانے والے کے نام سے درود پڑھتا ہوں

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ

اے اللہ رحمت فرما ہمارے سردار اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ ○

تاج و معراج والے، براق اور بلندی والے پر

دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ

بلّیات و وبار، قحط و مرض، دُکھ اور مصیبت کے دُور کرنے

وَالْاَلَمِ ○ اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ

والے پر جن کا اسم گرامی لکھا ہُوا ہے بلند ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ

مَّنْقُوْشٌ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ ○ سَيِّدِ الْعَرَبِ

جُڑا ہُوا ہے لوحِ محفوظ اور قلم میں رنگ آمیزی کیا ہوا ہے عرب اور عجم

وَالْعَجَمِ ○ جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ مُّعَطَّرٌ مُّطَهَّرٌ

کے سردار، جن کا جسم مُبارک ہر عیب سے مُبرا خوشبُو کا منبع انتہائی پاکیزہ

مُّنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ ○ شَمْسِ الضُّحٰى

نورٌ علیٰ نور اپنے گھر اور حرم میں ان تمام احوال کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔ صبح کے روشن

بَدْرِ الدُّجٰی صَدْرِ الْعُلٰی نُوْرِ الْهُدٰی کَهْفِ

اور خوشنما سورج، چودھویں رات کے چاند، بلندی کے ماخذ، ہدایت کے نور،

الْوَرٰی مِصْبَاحِ الظُّلَمِ جَمِیْلِ الشِّیَمِ

مخلوق کی جائے پناہ، تاریکیوں کے چراغ، بہترین خُلق و عادات والے،

شَفِیْعِ الْاُمَمِ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

اُمتوں کی شفاعت کرنے والے، سخاوت اور کرم کے والی پر درُود و سلام

وَاللّٰهُ عَاصِمُهٗ وَجِبْرِیْلُ خَادِمُهٗ وَالْبُرَاقُ

اور اللہ اُن کا محافظ ہے جبریل امین خادم ہیں اور براق سواری ہے

مَرْکَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهٗ وَسِدْرَةُ

معراج اُن کا سفر ہے سدرۃ المنتہیٰ ان کا مقام ہے اور قاب قوسین

الْمُنْتَهٰی مَقَامُهٗ وَقَابَ قَوْسَیْنِ مَطْلُوْبُهٗ

(کمال قرب الہٰی) اُن کا مطلوب ہے اور مطلوب یعنی کمال قرب الہٰی

وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ

وہی مقصود ہے اور مقصود حاصل ہو چکا ہے

سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ

تمام رسُولوں کے سردار، تمام انبیاء کے بعد آنے والے گنہگاروں کی شفاعت

الْمُذْنِبِيْنَ اَنِيْسِ الْغَرِيْبِيْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِيْنَ

کرنے والے مسافروں اور اجنبیوں کے غمگسار، تمام جہانوں پر رحم فرمانے

رَاحَةِ الْعَاشِقِيْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِيْنَ شَمْسِ

والے، عاشقوں کی راحت اور مشتاقوں کی مراد، جملہ ہائے عارفوں کے سورج،

الْعَارِفِيْنَ سِرَاجِ السَّالِكِيْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِيْنَ

سالکوں کے چراغ، مقربین کی شمع، فقیروں پردیسیوں اور

مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ

مسکینوں سے محبت و اُلفت رکھنے والے، جنات اور انسانوں

نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ وَسِيْلَتِنَا فِي

کے سردار، حرم مکہ اور حرم مدینہ کے نبی، بیت المقدس اور خانہ کعبہ

الدَّارَيْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ

دونوں قبلوں کے امام، دُنیا و آخرت میں ہمارے وسیلہ،

الْمَشْرِقَيْنِ وَالْمَغْرِبَيْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ

قاب قوسین کی نوید والے مشرقوں اور مغربوں کے رب کے حبیب امام حسن اور امام حسین

مَوْلٰنَا وَمَوْلَى الثَّقَلَيْنِ اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ

کے نانا، ہمارے آقا مجمع جن و انس کے والی، یعنی ابو القاسم محمد

ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ ○ یَآ اَیُّهَا

بن عبد اللہ اللہ کے نور میں سے عظمت و رفعت

الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ

والے نور پر درود و سلام ان کے نورِ جمال کے عاشقو، خوب صلوٰۃ و

اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

سلام بھیجو اُن کی ذات والاصفات پر اور ان کے آل و اصحاب پر

مترجم
سیّد ارشد سعید کاظمی
مدرس مدرسہ انوار العلوم ملتان
بروز پیر ۴ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

فہرست

سببِ تالیف

میرے ایک شاگرد مولانا حبیب اللہ اویسی ایم اے نے پچھلے دنوں لیاقت پور سے کسی صاحب کا یہ اعتراض بھیجا تھا کہ درودِ تاج میں، "اِسْمُهٗ مَشْفُوْعٌ" کے الفاظ ہیں اور مَشْفُوْع" کے معنے لغت میں مجنوں کے لکھے ہیں۔ میں نے اس کا مفصل جواب لکھا۔ اس کے بعد ایک دوسرا اعتراض پہونچا کہ درود تاج میں "غَرِیْبِیْنَ" کا لفظ ہے جو غلط ہے۔ اس لئے کہ غَرِیْبٌ کی جمع غُرَبَاءُ آتی ہے اس کا مفصل جواب بھی میں نے لکھا۔ اس کے بعد مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا دار العلوم نعیمیہ کراچی کے بعض علماء نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں اعتراض لیاقت پور کے کسی باشندے کے نہیں بلکہ یہ اور ان کے علاوہ بعض دیگر اعتراضات بھی درودِ تاج وغیرہ وظائف صوفیہ پر جعفر شاہ پھلواروی نے کئے تھے جو مودودیوں کے رسالہ "فاران" میں بڑے طمطراق کے ساتھ شائع ہوئے۔ پھر عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے وہ ایک پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کئے گئے۔ جو لیاقت پور میں کسی شخص کے ہاتھ آگیا اور اسکی مزعومہ لیاقت کی تشہیر کا سامان اسے مفت میں مہیا ہو گیا حُسن اتفاق سے وہ پمفلٹ مجھ تک بھی پہنچ گیا۔ جس کا عنوان ہے۔ "ادعیہ پر تحقیقی نظر"۔ اور مؤلف کا نام لکھا ہے: "امام الصوفیہ مجتہد العصر علامہ حضرت شاہ محمد جعفر پھلواروی"۔

اس مضمون پر بعض لوگوں کے سوالات اور پھلواروی صاحب کی طرف سے ان کے جوابات بھی اس پمفلٹ میں شامل ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ پمفلٹ اب اپنے موٹے

کے بعد یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو مجھے ملا۔ اے کاش یہ مضمون اسی وقت میرے سامنے آ جاتا تو اس "تحقیقی نظر" کا جواب فوری طور پر بروقت لکھ کر میں شائع کر دیتا۔ بہر حال میرے اس مضمون کو پڑھ کر اہل علم پر واضح ہو جائے گا کہ پھلواروی صاحب کی یہ تحقیقی نظر ـــــ ع "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مصداق اور علمی اغلاط کا پلندہ ہے۔ اگرچہ دو اعتراضوں کے جواب مختصراً میں پہلے لکھ چکا ہوں لیکن اب پورا مضمون سامنے آنے کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے سامنے رکھ کر پھلواروی صاحب کے سب اعتراضات کے جوابات تفصیل سے یکجا قلم بند کر دوں۔

وما توفیقی اِلّا باللہ

سید احمد سعید کاظمی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

پھلواروی صاحب نے اپنے اس رسالے کے آغاز میں لکھا ہے کہ "درودِ تاج کی عبارت پر میں طالب علمانہ استفسار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اور مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا اقرار بھی ہے" اس کے باوجود پورے رسالے کی عبارت میں کہیں بھی حقیقت کی جستجو کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ اور طلبِ ہدایت کی کاوش دکھائی نہیں دیتی۔ اندازِ تحریر بتاتا ہے کہ استفسار کا اصل مقصد اپنے علم وفضل کا غلط تأثر دینا اور درودِ تاج اور اس جیسے دیگر وظائف کا مذاق اڑا کر صلحاءِ امت اور ان کے معمولات سے عامۃ المسلمین کو متنفر کرنا ہے۔ انہوں نے درودِ تاج کی عبارت کو "بے سر و پا" اور "بھونڈا" قرار دیا ہے۔ الفاظ کا یہ انتخاب بتا رہا ہے کہ یہ محض طالب علمانہ استفسار نہیں ہے بلکہ انتہائی سوقیانہ اور غیر مہذب انداز میں مذاق اڑانا ہے۔ درحقیقت درودِ تاج کے الفاظ کو مشرکانہ قرار دے کر اپنے قلبی عناد کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

تخطئۂ فی الواقع خطا کو مستلزم نہیں

اس میں شک نہیں کہ خطا خواہ کسی سے بھی سرزد ہو اسے صواب نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ضروری نہیں کہ جس چیز کو کوئی شخص خطا سمجھے وہ درحقیقت بھی خطا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک بات کسی کی رائے میں خطا ہو لیکن واقعہ اس کے خلاف ہو۔

—— دیکھیے حدیبیہ میں جن شرائط پر صلح ہوئی مسلمان ان پر راضی نہ تھے بالخصوص سہیل بن عمرو کی یہ شرط کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہمارا کوئی آدمی خواہ مسلمان ہوکر آپ کے پاس پہونچے آپ اسے ضرور ہماری طرف واپس کردیں گے جس پر صحابۂ کرام نے کہا : سُبْحَانَ اللّٰهِ کَیْفَ یُرَدُّ اِلَی الْمُشْرِکِیْنَ وَقَدْ جَاءَ مُسْلِماً۔ سبحان اللہ! جو مسلمان ہوکر آیا وہ مشرکین کی طرف کیسے لوٹایا جائے گا (صحیح بخاری جلد اول صہ ۳۸۰ طبع اصح المطابع کراچی) یہ شرط مسلمانوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور ناپسندیدہ تھی۔ بخاری میں ہے : فَکَرِہَ الْمُؤْمِنُوْنَ ذٰلِكَ وَامْتَعَضُوْا مِنْهُ۔ مسلمانوں نے اس شرط کو نہایت ناپسند کیا اور اس سے غضب ناک ہوئے۔

(صحیح بخاری جلد اول صہ ۳۷۴)

سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندل مسلمان ہوکر لوہے میں جکڑے ہوئے، بیڑیاں پہنے ہوئے، بڑی مشقت و تکلیف کی حالت میں مکہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حدیبیہ پہونچے تھے۔ اور ایمان کی

خاطر انہوں نے مشرکین کی سخت ایذائیں برداشت کی تھیں مگر اس شرط کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں بھی واپس جانے کا حکم دیا۔ ابوجندل اس وقت آہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ مجھے اس حال میں مشرکین کی طرف واپس کیا جارہا ہے۔ حالانکہ میں مسلمان ہوکر آیا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے میں کیسے شدائد میں مبتلا ہوں (بخاری جلد ا صہ ۳۸۰) حضرت عمر جیسے صاحب الرائے انسان کی نظر میں بھی مسلمانوں کے حق میں وہ شرائط انتہائی ذلت کا موجب تھیں! انہوں نے کہا: فَلِمَ نُعْطِی الدَّنِیَّۃَ فِیْ دِیْنِنَا۔ جب ہم حق پر ہیں تو اپنے دین میں کیوں پست ہوں۔ (صحیح بخاری جلد اول صہ ۳۸۰) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان شرائط کو مان لیا۔ توسہل بن حُنیف جیسے عظیم وجلیل صحابی نے کہا: لَوْ اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَرُدَّ اَمْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَرَدَدْتُّہٗ۔ "اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کو رد کرنے کی طاقت رکھتا تو ضرور اسے رد کر دیتا"۔ لیکن جب نتائج سامنے آئے تو انہیں کہنا پڑا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں (بخاری جلد ا صہ ۴۵۱، جلد ۲ صہ ۶۰۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا وَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ۔ اور قریب ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو۔ اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور قریب ہے تم کسی چیز

کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔ (پ۲ البقرہ آیت نمبر ۲۱۶) لہٰذا کسی چیز کو خطا سمجھنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ فی الواقع بھی خطا ہو۔ رسالہ زیر نظر میں پھلواروی صاحب نے جن چیزوں کو غلطی قرار دیا ہے۔ وہ دراصل ان کے اپنے ذہن کی غلطی ہے۔ اگر ایک بھینگے کو ایک کے دو اور دو کے چار دکھائی دیں تو یہ اس کی اپنی نظر کی غلطی ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی یک چشم دو طرفہ بازار میں سے گزرنے کے باوجود یہ کہے کہ شہر تو خوبصورت ہے مگر بازار ایک ہی طرف ہے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ بازار تو دونوں طرف ہے تیرا ہی ایک بازار بند ہے۔ پھلواروی صاحب کو درود تاج میں جو غلطیاں نظر آئیں۔ وہ ان کی اپنی ناسمجھی کا شاہکار ہیں۔ درودِ تاج ان اغلاط سے پاک ہے۔

پھلواروی صاحب کے تمام اعتراضات کا خلاصہ ان کے رسالہ کو سامنے رکھ کر ہم ناظرین کرام کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان سب اعتراضات کے ترتیب وار جوابات حاضر ہیں۔ انہیں پڑھئے اور پھلواروی صاحب کی علمی لیاقت پر سر دُھنیئے۔

پہلا اعتراض اور اسکا جواب

"اِسْمُہٗ مُشَفَّعٌ"

پہلا اعتراض یہ کیا گیا کہ "عربی میں "مُشَفَّع" اسے کہتے ہیں جو جڑواں ہو یا اسے نظر بد لگی ہو یا وہ طاق سے جفت کیا گیا ہو۔ یہ سارے معنی یہاں بے محل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ مُشَفَّعٌ لَہٗ ہو لیکن یہاں یہ معنے لینا بھی صحیح نہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شَافِعٌ ہیں، شَفِیْعٌ ہیں اور مُشَفَّعٌ ہیں۔ یعنے

شفاعت کرنے والے مقبول الشفاعت ہیں مَشْفُوعٌ لَہٗ نہیں۔ نعوذ باللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کون شفاعت کرسکتا ہے"۔ انتہٰی کلامُہٗ۔

پھلواروی صاحب کا یہ اعتراض پڑھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے۔ انہوں نے لفظ مَشْفُوعٌ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ پاک کے معنےٰ سمجھ لئے حالانکہ درود تاج میں ذاتِ مقدسہ کے لئے نہیں بلکہ لفظ مَشْفُوعٌ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ مبارک کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ذاتِ مقدسہ یقیناً مَشْفُوعٌ لَہٗ نہیں۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نظر بد لگے ہوئے ہیں۔ نہ ذاتِ مقدسہ کے حق میں مجنوں کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ معانی یہاں متصور ہی نہیں تو پھر ان کے ذکر کی یہاں کیا ضرورت پیش آئی؟ صاحب درود تاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کو نہیں بلکہ اسمِ مبارک کو مشفوع کہا ہے۔ جو اَلشَّفْعُ سے ماخوذ ہے۔ اَلشَّفْعُ کے معنےٰ ہیں کسی چیز کی طرف اس کی مثل کو ملانا اور طاق کو جفت کرنا۔ قرآن پاک کی سورۂ والفجر میں ہے وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (پ ۳۰) قسم ہے جفت کی اور قسم ہے طاق کی۔

المنجد میں شَفَعَ شَفْعًا کے تحت مرقوم ہے۔ اَلشَّیْئَ صَیَّرَہٗ شَفْعًا اَیْ زَوْجًا بِاَنْ یُّضِیْفَ اِلَیْہِ مِثْلَہٗ۔ انتہٰی (المنجد ص: ۳۹۵ طبع بیروت) یعنے شَفَعَ الشَّیْئَ کے معنےٰ ہیں۔ اس نے شے کو شفع یعنی جفت کر دیا۔ بایں طور کہ ایک شے کی طرف اس کی مثل کو ملا دیا۔

اسی طرح اقرب الموارد میں ہے۔ شَفَعَ ..... شَفْعًا صَیَّرَہٗ شَفْعًا اَیْ زَوْجًا اَیْ اَضَافَ اِلَی الْوَاحِدِ ثَانِیًا ...... یُقَالُ کَانَ وَتْرًا فَشَفَعَہٗ بِاٰخَرَ اَیْ قَرَنَہٗ بِہٖ۔ انتہٰی۔ (اقرب الموارد۔ جلد: ۱۔ ص ۵۹۹) یعنے شَفَعَ شَفْعًا کے معنے ہیں اس نے کسی چیز کو شفع کر دیا۔ یعنے اسے جفت بنا دیا۔ یعنی ایک کی طرف دوسرے کو ملا دیا۔

اہل عرب کا مقولہ ہے کہ وہ طاق تھا اس نے دوسرے کو اس کے ساتھ ملا کر اسے جفت کر دیا۔ یعنے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔

نیز "تاج العروس" میں ہے۔ اَلشَّفْعُ خِلَافُ الْوَتْرِ وَھُوَ الزَّوْجُ تَقُوْلُ کَانَ وَتْرًا فَشَفَعْتُہٗ، شَفْعًا وَ شَفَعَ الْوَتْرَ مِنَ الْعَدَدِ شَفْعًا صَیَّرَہٗ زَوْجًا یعنی شفع، وتر کے خلاف ہے اور شفع جفت کو کہتے ہیں۔ اہل عرب کا قول ہے کہ وہ طاق تھا۔ میں نے اسے جفت کر دیا۔ اور اس نے طاق عدد کو جفت بنا دیا۔

(تاج العروس، جلد: ۵، ص: ۳۹۹)

درود تاج میں لفظ "مَشْفُوْع" اَلشَّفْعُ سے ماخوذ ہے اور اَلشَّفْعُ متعدی ہے۔ اس کا اسم مفعول مَشْفُوْعٌ ہے جو مَقْرُون اور جفت کے معنے میں ہے۔ اور "اِسْمُہٗ مَشْفُوْعٌ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ میں، اذان میں، تکبیر میں اپنے اسم مبارک کے ساتھ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک نام ملایا۔ یہ مقرون کے معنے ہیں اور اذان واقامت میں اسے وتر یعنی طاق نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اسے جفت بنا دیا۔ مؤذن اور مکبّر اذان وتکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ایک بار نہیں بلکہ دُو بار پکارتا ہے اور یہی طاق کو جفت بنانا ہے۔

اسم الٰہی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا متصل ہونا۔ اور اذان وتکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا دُو بار پکارنا اِسْمُہٗ مَشْفُوْعٌ کے معنیٰ ہیں۔ اور یہ بالکل واضح، برمحل اور مناسب ہیں۔ انہیں نامناسب اور بے محل قرار دینا کج فہمی اور نادانی ہے۔

مخفیٰ نہ رہے کہ امام قسطلانی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء مبارکہ کے ضمن میں ارقام فرمایا: "اَلْمُشَفَّعُ اَلْمَشْفُوْعُ" (مواہب اللدنیہ جلد ۱ ص ۱۸۴ طبع بیروت) یعنی "مُشَفَّعٌ" اور "مَشْفُوْعٌ" دونوں حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک نام ہیں جس کے بعد صاحب درودِ تاج کی عبارت قطعاً بے غبار ہوگئی اور پھلواروی صاحب کی لاعلمی بھی بے نقاب ہوکر سامنے آگئی ہے۔

پھلواروی صاحب کی ایک علمی خیانت

پھلواروی صاحب یہ تو کہہ گئے کہ مَشْفُوْعٌ کے معنٰے مجنوں بھی ہیں جیسا کہ المنجد میں ہے۔ مگر اس حقیقت کو چھپا گئے کہ اس معنٰے کا مأخذ اَلشَّفْعُ نہیں علماءِ لغت میں سے کسی نے آج تک اَلشَّفْعُ کے تحت مَشْفُوْعٌ کے معنٰے مجنوں نہیں لکھے بلکہ اَلشُّفْعَۃُ کے مادہ پر کلام کرتے ہوئے اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ اس لفظ اَلشُّفْعَۃُ کے شرعی معنٰے کے علاوہ ایک معنٰے "جنون" بھی ہیں۔ دیکھئے اقرب الموارد میں ہے۔ اَلشُّفْعَۃُ اَیْضًا اَلْجُنُوْنُ یعنی لفظ شفعہ کے معنٰے جنون بھی ہیں۔ (جلد ۱۔ ۵۹۹)

اور المنجد میں ہے اَلشُّفْعَۃُ جَمْعُھَا شُفَعٌ اَلْجُنُوْنُ یعنی لفظ شفعہ کی جمع شُفَعٌ ہے اور اس کے معنٰے جنون بھی ہیں

لسان العرب میں اَلشُّفْعَۃُ کے تحت مرقوم ہے وَیُقَالُ لِلْمَجْنُوْنِ مَشْنُوْعٌ وَمَسْفُوْعٌ (بِالسِّیْنِ الْمُھْمَلَۃِ) (لسان العرب جلد: ۸ ص: ۱۸۴) قاموس میں اَلشُّفْعَۃُ کے تحت لکھا ہے۔ اَلشُّفْعَۃُ اَیْضًا اَلْجُنُوْنُ۔ اور اسی کے تحت ارقام فرمایا۔ اَلْمَشْفُوْعُ اَلْمَجْنُوْنُ (قاموس جلد: ۳ ص: ۴۶)۔

ان عبارات سے واضح ہوگیا ہے۔ کہ لفظِ مَشْفُوْعٌ بمعنٰے مجنون کا ماخذ شَفْعٌ نہیں بلکہ وہ لفظِ اَلشُّفْعَۃُ ہے جو جنون کے معنٰے میں آتا ہے درودِ تاج کے لفظِ مَشْفُوْعٌ کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں جو لوگ اسے مجنون کے معنٰے پر

حمل کرتے ہیں وہ خود مبتلائے جنون ہیں۔ ایسے لوگوں نے اَلشَّفَعُ اور اَلشُّفُعَۃُ کے فرق کو بھی نہیں سمجھا۔ پھر درو دِتاج کے سیاق میں اس امر کو بھی نظر انداز کر دیا کہ اس کا سوق کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح و ثناء پر مشتمل ہے۔ جس میں مجنون کے معنےٰ کا تصور مجنون کے سوا کوئی عاقل نہیں کر سکتا۔

لفظ مشفوع کلامِ علماء میں

صرف یہ نہیں بلکہ پھلواروی صاحب کے حاشیہ برداروں کا دعویٰ ہے کہ مَشْفُوْعٌ کا لفظ مجنون کے سوا اور کسی معنےٰ میں کسی نے استعمال نہیں کیا حالانکہ ان کا یہ قول خود پھلواروی صاحب کے قول کی تکذیب کے مترادف ہے۔ کیونکہ وہ تسلیم فرما چکے ہیں کہ " طاق سے جفت کیا ہوا بھی مَشْفُوْعٌ کے معنےٰ ہیں"۔ تاہم مزید وضاحت کے لئے ہم بتانا چاہتے ہیں کہ لفظِ مَشْفُوْعٌ مقرون کے معنےٰ میں مستعمل ہوا ہے دیکھیئے آیتِ کریمہ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ کے تحت روح المعانی میں گیارہویں پارے کے صہ ۱۱ پر مرقوم ہے " وَلَعَلَّ تَكْرِيْرَ عَذَابِهِمْ لِمَا فِيْهِمْ مِنَ الْكُفْرِ الْمَشْفُوْعِ بِالنِّفَاقِ " یعنی منافقین کے عذاب کے مکرر ہونے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کا کفران کے نفاق کے ساتھ مقرون ہے۔

یہاں مَشْفُوْعٌ مقرون کے معنےٰ میں ہے۔ اسے مجنون کے معنےٰ میں وہی سمجھے گا جو خود مجنون ہوگا۔ یہ بات بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کہہ دے کہ حقِ شُفعہ جنون کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب اس سے پوچھا جائے تو لغت کی کتاب کا حوالہ دے دے کہ یہاں شُفعہ کے معنےٰ جنون لکھے ہیں۔

کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ بات قابلِ قبول ہو سکتی ہے ؟
ناظرینِ کرام نے دیکھ لیا کہ پھلواروی صاحب درودِ تاج کے جملے کے
ایک جزء کو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے !
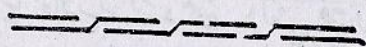
دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

"مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ"

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں " پھر نام مبارک (اِسْمُہٗ) کا منقوش فی اللوح ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی بات ہے اگر مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ بِالْقَلَمِ ہوتا تو پھر بھی بات واضح ہو جاتی۔"
(انتہیٰ)

پھلواری صاحب نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی کہ اس لوح و قلم کا قیاس دنیا کی قلم اور تختی پر کر لیا۔ اس لئے وہ فرما رہے ہیں کہ " نام مبارک اِسْمُہٗ کا منقوش فی اللوح ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی بات ہے۔" الخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ لوح میں اسمِ مبارک کا منقوش ہونا آپ کی سمجھ میں آ گیا البتہ قلم میں منقوش ہونا صرف اس لئے آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے قیاس مع الفارق سے کام لے کر یہ سوچا کہ قلم لکھتا ہے۔ اس پہ لکھا نہیں جاتا۔ مگر آپ کی یہ سوچ اس عالم بالا تک نہیں پہنچ سکتی جہاں لوح و قلم تو در کنار ساقِ عرش پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ مبارک منقوش ہے جبکہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسم مبارک کے متعلق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ کَانَ مَکْتُوْبًا عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس حدیث کو طبرانی، حاکم، ابونعیم اور بیہقی نے روایت کیا۔ حوالہ کے لئے دیکھئے۔ (تفسیر فتح العزیز پ صہ ۱۸۳ طبع لونکشور۔ روح المعانی جلد ۱۔ جزء ۱ صہ ۲۲۷۔ روح البیان جلد ۱ صہ ۱۱۳ طبع بیروت) خلاصۃ التفاسیر جلد ۱ صہ ۲۹ طبع انوار محمدی لکھنؤ) اسی طرح درّ منثور میں بھی ہے۔ (بحوالہ خلاصۃ التفاسیر) ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسم گرامی کے قلم میں منقوش ہونے کو نرالی سی بات کہنا بجائے خود نرالی سی بات ہے، علاوہ ازیں یہاں بھی قلم پر نام منقوش ہونے کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں پھر اس کو نرالا سمجھنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسم مبارک کا لوح میں مکتوب ہونا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ لوح میں تو ہر چیز مکتوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت عظمیٰ اور اہم ترین خصوصیت تو یہ ہے، کہ نشان عظمت کے طور پر صرف لوح پر نہیں، قلم پر بھی اسم مبارک، مثبت ومنقوش ہے۔ بلکہ ساق عرش پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس رفعت شان کی ایک جھلک ہے جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" میں فرمایا۔ اگر پھلواروی صاحب اس کا انکار کریں تو ہمارے نزدیک ان کا یہ انکار پرِ کاہ کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتا۔ جبکہ آیتِ قرآنیہ اور اس کی مطابقت میں حدیثِ مذکور بھی حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت و رفعتِ شان کا اعلان کر رہی ہے۔ صاحبِ درودِ تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ مبارک کے منقوش فی اللوح والقلم ہونے کا ذکر اسی نشانِ عظمت و رفعت کے طور پر کیا ہے جسے پھلواروی

صاحب نہیں سمجھ سکے۔

تیسرا اعتراض اور اس کا جواب

سِدرَةُ المُنتہیٰ مَقامُہ

تیسرا اعتراض کرتے ہوئے پھلواروی صاحب لکھتے ہیں۔ ''سِدرَةُ المُنتہیٰ مقامُہٗ واقعہ یہ ہے کہ سدرة المنتہےٰ جبریل کا مقام ہے۔ جہاں جاکر وہ ٹھہر گئے اور آگے نہ جاسکے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گذرگاہ تھی۔ مقام نہ تھا۔'' انتہی کلامہ
محترم نے اس جملے کو سمجھنے میں بھی غلطی کی حقیقت یہ ہے کہ سدرہ المنتہیٰ کے مقام جبریل ہونے کے جو معنیٰ ہیں وہ یہاں مراد نہیں بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفعتِ شان کا بیان مقصود ہے وہ یہ کہ سدرة المنتہیٰ تک کوئی بشر نہیں پہنچا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریتِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچے
''مَقامُہٗ'' سے یہاں صرف پہنچنے کی جگہ مراد ہے۔ ''مَقامُ اِبرَاہِیمَ'' کا ذکر قرآنِ مجید میں وارد ہے۔ اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبرِ شریف کو اپنا ''مقام'' فرمایا۔ حدیث کے الفاظ ہیں: مادُمتُ فِی مَقَامِیْ ھٰذَا۔ (بخاری جلد ا: صہ۷۷، مسلم جلد ۲: صہ۲۶۳) جس کے معنیٰ پہنچنے اور کھڑے ہونے کی جگہ کے سوا کچھ نہیں۔ درودِ تاج کے اس جملے میں مَقَامُہٗ کا یہی مفہوم ہے۔ مقامِ جبریل پر مقامِ مصطفےٰ کا قیاس ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ حضرت مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قیاس جبریل پر۔

چوتھا اعتراض اور اس کا جواب

قَابَ قَوْسَیْنِ کا اعراب

پھلواروی صاحب کا یہ فرمانا بھی غلط ہے کہ یہاں "قَابَ" کو مرفوع پڑھنا چاہیئے۔" انتہیٰ۔ انہوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ قرآن کریم کے الفاظ "قَابَ قَوْسَیْنِ" کو بطور حکایت درودِ تاج میں شامل کیا گیا ہے۔ اور درودِ تاج میں "قَابَ" کا نصب اعرابِ حکائی ہے۔ اعرابِ حکائی کی بحث میں صاحب معجم النحو نے لکھا ہے۔ "اَلْحِکَایَۃُ لُغَۃً اَلْمُمَاثَلَۃُ وَاصْطِلَاحًا اِیْرَادُ اللَّفْظِ الْمَسْمُوْعِ عَلٰی ھَیْئَتِہٖ کَمَنْ مُحَمَّدًا اِذَا قِیْلَ رَأَیْتُ مُحَمَّدًا" یعنی "حکایۃ" لغۃً مماثلت ہے اور اصطلاح میں کسی لفظِ مسموع کو اس کی ہیئت پر وارد کرنا "حکایت" ہے۔ جیسے مَنْ مُحَمَّدًا ؟ جب کہا جائے رَأَیْتُ مُحَمَّدًا

(صہ ۱۷۶ طبع مصر)

آیتِ قرآنیہ میں لفظِ "قَابَ" نصب کے ساتھ مسموع ہے۔ اس کی ہیئت پر درودِ تاج میں حکایۃً وارد کیا گیا۔ کس اہلِ علم کے نزدیک اعرابِ حکائی ناجائز ہے؟

پانچواں اعتراض اور اس کا جواب

قَابَ قَوْسَیْنِ کا معنیٰ

اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "قَابَ قَوْسَیْنِ" کو حضور کا مطلوب و مقصود قرار دینا اس وقت تک محلِ نظر رہے گا۔ جب تک کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ

سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے" (انتہیٰ)

میں عرض کروں گا کہ اسے محلِ نظر کہنا خود محلِ نظر ہے۔ شاید قَابَ قَوْسَیْنِ کے مرادی معنے پھلواروی صاحب نہیں سمجھے۔ اس سے مراد کمال قربِ الٰہی ہے۔ اور یہ کمالِ قرب اپنے حسبِ حال ہر مؤمن کا مطلوب و مقصود ہے کتاب و سنت کی تعلیم کا خلاصہ یہی ہے کہ بندے کو کمالِ قرب نصیب ہو جو کمالِ عبدیت کا معیار ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ مضمون وارد ہے۔ مثلاً

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ ه اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ه (پ۲۷ الواقعہ آیت ۱۰-۱۱)

اور جو سبقت کرنے والے ہیں وہ تو سبقت ہی کرنے والے ہیں۔ وہی اللہ تعالےٰ کے مقرب ہیں۔

اور بخاری شریف میں حضرتِ انس سے مروی ہے: وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّۃِ فَتَدَلّٰے حَتّٰی کَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰے۔ اور جبار ربّ العزّۃ قریب ہوا۔ پھر اور زیادہ قریب ہوا۔ یہاں تک کہ وہ اس (عبدِ مقدس) سے دو کمانوں کی مقدار تھا۔ یا اس سے زیادہ قریب۔

(بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۰)

اب تو پھلواروی صاحب سمجھ گئے ہوں گے کہ "قاب قوسین" کے معنی کمالِ قرب ہیں جو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطلوب و مقصود ہے۔

چھٹا اعتراض اور اس کا جواب

درود تاج کی عربیت بے غبار ہے

اس کے بعد پھلواروی صاحب فرماتے ہیں "علاوہ ازیں یہ پوری عبارت ہی

عجمی قسم کی عربی عبارت ہے۔ "مَوجودہٗ" کی ترکیب اضافی کچھ عجیب سی ہے۔ "مقصودہٗ" اس کا موجود ہے۔ کیا مطلب ہوا؟" انتہیٰ
اس عبارت کو عربی عبارت کہہ کر بلا دلیل عجمی قسم کی عربی عبارت کہنا ہماری فہم سے بالاتر ہے۔

وَالمَطلُوبُ مَقصُودُہٗ کا مطلب

جس عبارت کے معنے انہوں نے پوچھے ہیں وہ اپنے معنے میں بالکل واضح ہے کہ "قَابَ قَوسَینِ" یعنی کمالِ قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب ہے اور مطلوب وہی چیز ہوتی ہے جو کسی کا مقصود ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود ایسا نہیں جسے حضور نے نہ پایا ہو۔ بلکہ وہ پایا ہوا ہے۔ لہٰذا "مَوجُودُہٗ" کی ترکیب کو عجیب سی ترکیب کہنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔

ساتواں اعتراض اور اس کا جواب

اَنِیسِ الغَرِیبِینَ

پھلواروی صاحب نے "اَنِیسِ الغَرِیبِینَ" پر بھی اعتراض کیا ہے، فرماتے ہیں: "کس عربی دان کو نہیں معلوم کہ "غَرِیبٌ" کی جمع "غُرَبَاءُ" ہے نہ کہ غَرِیبِینَ۔ آگے خود ہی اس درود کے مصنف نے "مُحِبِّ الفُقَرَاءِ والغُرَبَاءِ وَالمَسَاکِینَ" لکھا ہے۔" انتہیٰ۔
یہ اعتراض بھی ان کی علمی کمزوری کا نتیجہ ہے انہوں نے اس حقیقت کو بالکل نظرانداز کر دیا کہ "فَعِیلٌ" کے ہم وزن جس صیغے کی جمع سالم نہیں آتی وہ وہی صیغہ

ہے جو مفعول کے معنیٰ میں ہو۔ جار بردی شرح شافیہ میں ہے۔ ثُمَّ مُذَكَّرُ هٰذَا الْجَمْعِ لَا يُجْمَعُ بِالْوَاوِ وَالنُّوْنِ فَرْقًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ فَعِيْلٍ بِمَعْنَى فَاعِلٍ كَكَرِيْمٍ۔ یعنے فَعِیل بمعنے مَفعُول کی جمع سالم نہیں آتی تاکہ فَعِیل بمعنے مفعول اور فعیل بمعنے فَاعِل کے درمیان امتیاز باقی رہے۔ جیسے کَرِیْمٌ۔ انتہیٰ (جاربردی صہ ۹۸ طبع سٹیم پریس لاہور)۔ یعنی کَرِیْمٌ چونکہ فاعل کے معنے میں ہے اس لئے یہ اس قانون کے ماتحت نہیں بلکہ اس کی جمع کَرِیْمُوْنَ آتی ہے۔ جیساکہ رضی شرح شافیہ میں ہے۔ وَالَّذِیْ بِمَعْنَى الْفَاعِلِ يُجْمَعُ جَمْعَ السَّلَامَةِ نَحْوُ رَحِيْمُوْنَ وَرَحِيْمَاتٌ وَكَرِيْمُوْنَ وَكَرِيْمَاتٌ فَلَمْ يُجْمَعِ الَّذِيْ بِمَعْنَى الْمَفْعُوْلِ جَمْعَ السَّلَامَةِ فَرْقًا بَيْنَهُمَا۔ یعنی فَعِیل کے وزن پر جو صیغہ فاعل کے معنے میں آئے اس کی جمع سالم آتی ہے۔ جیسے رَحِیْمٌ کی جمع رَحِیْمُوْنَ اور رَحِیْمَۃٌ کی جمع رَحِیْمَاتٌ اور کَرِیْمٌ کی جمع کَرِیْمُوْنَ اور کَرِیْمَۃٌ کی جمع کَرِیْمَاتٌ ہے تو فعیل کے وزن پر جو صیغہ کہ مفعول کے معنے میں ہو اس کی جمع سالم نہیں آتی۔ تاکہ دونوں کے درمیان فرق باقی رہے۔ انتہیٰ۔ (رضی شرح شافیہ صہ ۱۴۸ ج ۲ طبع بیروت)

لفظ غَرِیْبٌ فعیل کے وزن پر صرف فاعل کے معنے میں آتا ہے۔ لہٰذا اس کی جمع غَرِیْبُوْنَ اور غَرِیْبِیْنَ اسی طرح جائز ہے جس طرح رَحِیْمٌ کی جمع رَحِیْمُوْنَ اور کَرِیْمٌ کی جمع کَرِیْمُوْنَ جائز ہے۔

صاحب درودِ تاج نے غَرِیْبِیْنَ کے بعد غُرَبَاء کا لفظ وارد کرکے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس کی جمع سالم اور مکسر دونوں جائز ہیں۔ جیسے رَحِیْمٌ اور کَرِیْمٌ کی جمع سالم۔ اور جمع مکسر یعنے رُحَمَاءُ اور کُرَمَاءُ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔

لفظِ غَرِیْبَیْنَ کا استعمال

امام لغت حدیث علامہ محمد طاہر نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "مجمع بحار الانوار" کے مقدمہ میں اپنے ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے کتاب "ناظر عین الغریبین" کا ذکر فرمایا اور غَرِیْبَیْنَ کی مناسبت سے حرفِ غ اس کے لئے رمز قرار دیا۔ اور متعدد مقامات پر "ناظر عین الغریبین" سے حدیث کے مطالب و فوائد اخذ کئے۔ علامہ محمد طاہر جو کچھ نہایہ سے اخذ کرتے ہیں بعض اوقات اس کے ساتھ ان فوائد کو بھی شامل کر دیتے ہیں جو ناظر عین الغریبین سے اخذ فرماتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے آغاز کتاب میں فرمایا۔ وَاَضُمُّ اِلٰی ذٰلِکَ مَافِیْ نَاظِرِ عَیْنِ الْغَرِیْبَیْنَ مِنَ الْفَوَائِدِ۔

(مجمع بحار الانوار جلد ۱ صـ۳ طبع نولکشور)

یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری لیکن اس کے ملتقطات اور فوائدِ ماخوذہ کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب "ناظر عین الغریبین" لغتِ حدیث میں عظیم و جلیل کتاب ہے۔ جس کے نام "ناظر عین الغریبین" سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ علم نے لفظِ غَرِیْبَیْنَ استعمال کیا ہے۔ پھلواروی صاحب نے لفظِ غریبین کو غلط قرار دے کر اپنی لاعلمی کا مظاہرہ فرمایا۔

علاوہ ازیں اگر ہمارے پیش کردہ حوالہ جات اور علماءِ صرف و نحو کی واضح عبارات سے قطع نظر بھی کر لیا جائے۔ تب بھی لفظِ غریبین کے استعمال کو غلط کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس قسم کا استعمال آخر کلمات میں رعایت تناسب کی صورت میں بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے استعمال کی مثال قرآن مجید کی سورۃ دھر میں "سَلَاسِلاً" اور "قَوَارِیْرًا" کو تنوین کے ساتھ پڑھنا ہے۔ جو خلافِ قاعدہ

ہے اور اہلِ عرب کے استعمالات اور محاورات کے خلاف ہے کیونکہ یہ دونوں
لفظ غیر منصرف ہیں اور غیر منصرف پر تنوین جائز نہیں۔ مگر علماء نے سجع یا فاصلہ
کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ متصلاً استعمال ہونے والے کلمات کے
آخر میں تناسب کی رعایت کی بناء پر بلاشبہ اسے جائز کہا۔ (ملحضًا) (النحو الوافی
جلد: ۴۔ ص: ۲۷۰-۲۷۱) سَلَاسِلاً (بالتنوین) نافع، کسائیؒ، ابوبکر اور ہشام
کی قرأت ہے (تفسیر مظہری جلد: ۱۰۔ ص: ۱۴۹) اور قَوَارِیْرًا (بالتنوین) ابن
کثیر کی قراءت ہے۔ (مظہری جلد: ۱۰۔ ص: ۱۵۷) یہ دونوں قرائتیں مراعاتِ
تناسب کی وجہ سے جائز ہیں۔ قراءتِ متواترہ کی بناء پر ان کے جائز ہونے میں
شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ درودِ تاج میں لفظِ غَرِیْبِیْنَ بھی بصورتِ سجع
کلماتِ متجاورہ کے آخر میں تناسب کی رعایت کی بناء پر بلاشبہ جائز ہے۔ بلکہ حسب
تصریح صاحب النحو الوافی جلد: ۴۔ ص: ۲۷۰، آخر کلمات کا یہ تناسب مخاطب کی
سمع کو لذت بخشتا ہے۔ اور سننے والے کے کان کو شیرینی فراہم کرتا ہے۔ تقویتِ معنٰی
میں نہایت موثر ہے۔ قاری اور سامع دونوں کی روح میں ان کلمات کو پیوست
کر دیتا ہے۔ انتہیٰ۔

پورا درودِ تاج اسی نوعیت کا ہے۔ بالخصوص انہی کلماتِ متجاورہ مختومہ بالسجع
کو ایک مرتبہ اسی خیال سے پڑھیں اور اندازہ فرمائیں کہ مراعاتِ تناسب نے
ان کلمات کو کس قدر مؤثر کر دیا ہے۔ بشرطِ محبت آپ یقیناً محسوس کریں گے کہ دل کی
گہرائیوں میں یہ کلمات اترتے چلے جا رہے ہیں۔ سامعہ لطف اندوز ہے۔ اور روح
کو غذا میسر ہو رہی ہے۔ درودِ تاج کے وہ کلماتِ مبارکہ حسبِ ذیل ہیں؛ سَیِّدِ
الْمُرْسَلِیْنَ، خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ، شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ، اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ
رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ، رَاحَةِ الْعَاشِقِیْنَ، مُرَادِ الْمُشْتَاقِیْنَ، شَمْسِ الْعَارِفِیْنَ

سِرَاجُ السَّالِکِیْنَ، مِصْبَاحُ الْمُقَرَّبِیْنَ

اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ آخرِ کلمات میں رعایتِ تناسب کا حکم النحو الوافی میں غیر منصرف سے متعلق ہے اور ہمارے پیشِ نظر لفظِ غَرِیْبِیْنَ ہے تو اس کا ازالہ یہ ہے کہ خلافِ قاعدہ اور محاوراتِ اہلِ عرب کے خلاف ہونے میں غیر منصرف پر تنوین داخل کرنا اور بزعمِ فاضلِ مخاطب غَرِیْبٌ کی جمع غَرِیْبِیْنَ لانا دونوں یکساں ہے۔ لہٰذا آخرِ کلمات میں رعایتِ تناسب کا حکم بھی دونوں کے لئے یکساں ہوگا۔

۸ آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب

لفظِ غَرِیْب کا معنےٰ

اس کے بعد پھلواروی صاحب فرماتے ہیں کہ درودِ تاج میں " دونوں جگہ لفظ غریب کا وہ مفہوم لیا گیا ہے جو ہماری اردو زبان میں ہے۔ یعنی محتاج، بے مایہ"
(انتہیٰ)

ان کا یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے۔ درودِ تاج میں اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ اور مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ دونوں جگہ پر لفظِ غَرِیْب سے اجنبی مراد ہے۔ اجنبی اور پردیسی کا کوئی انیس اور محب نہیں ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر پردیسی اور اجنبی کے انیس اور محب ہیں۔ اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ اور مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ کا یہی مفہوم ہے۔ انیس اور محب اس مفہوم کے لئے واضح قرینہ ہیں۔
شاید پھلواروی صاحب نے غُرَبَاءِ کے ساتھ فُقَرَاء اور مَسَاکِیْن کے الفاظ دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ فقراء اور مساکین محتاج ہوتے ہیں۔ اس لئے غُرَبَاء سے

بھی محتاج لوگ ہی مراد ہیں مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ لفظِ غُرَبَاء، فُقَرَاء کا معطوف ہے اور مَسَاکِیْن کا معطوف علیہ۔ عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں دونوں میں سے کسی ایک جگہ بھی لفظِ "غَرِیْب" کا مفہوم محتاج و بے مایہ نہیں لیا گیا بلکہ دونوں جگہ وہ اجنبی ہی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے پھلواری صاحب کا یہ اعتراض۔ دراصل اظہارِ عناد کے سوا کچھ نہیں۔

۹/ نواں اعتراض اور اس کا جواب

رَاحَةِ الْعَاشِقِیْن

پھلواروی صاحب نے درودِ تاج کے الفاظ "رَاحَةِ الْعَاشِقِیْن" میں لفظ "عاشقین" پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "محبت ایک لطیف میلان قلب کا نام ہے۔ مگر عشق محض زورِ گندم ہوتا ہے جس کا سارا تعلق حُسن و شباب سے ہے۔ مولانا روم نے صحیح کہا ہے:-

عشق نہ بود آنکہ در مردم بود
ایں خمار از خوردن گندم بود

لفظِ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف لفظ ہے کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ نے اس لفظ کے استعمال سے مکمل احتراز کیا ہے" انتہیٰ۔

عشق کے معنےٰ

پھلواروی صاحب نے عشق کے معنےٰ زورِ گندم بتائے ہیں۔ جو آج تک کسی نے نہیں بتائے۔ لغت کی کسی کتاب میں لفظِ عشق کے یہ معنےٰ کوئی نہ دکھا

سکے گا۔ البتہ اس معنے پر انہوں نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے ضرور استدلال فرمایا ہے۔ جو پھلواروی صاحب کے حواس باختہ ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا رومی تو اس شعر میں یہ فرما رہے ہیں کہ لوگوں میں جو خواہش نفسانی پائی جاتی ہے۔ وہ عشق نہیں وہ تو محض گندم کھانے کا خمار ہے۔ پھلواروی صاحب نے اسی خمارِ گندم کو عشق قرار دے دیا۔ جس کے عشق ہونے کی مولانا رومیؒ نفی فرما رہے ہیں۔

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

عشق مولانا رومی کی نظر میں

مولانا نے اس شعر میں خمارِ گندم کی مذمت کی ہے مگر حسبِ ذیل اشعار میں عشق کی مدح فرمائی ہے۔

ے ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
اوز حرص و عیب کلی پاک شد

ے شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

ے اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

ے جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمدو چالاک شد

یعنی جس کے وجودِ نفسانی کا جامہ عشق سے چاک ہو گیا۔ وہ حرص اور ہر عیب سے پاک ہو گیا۔ اے ہمارے عشق خوش سودا اور ہماری تمام بیماریوں کے طبیب تو خوش رہ۔ اے ہماری نخوت و غرور کی دوا۔ اے ہمارے عشق تو ہی

ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے۔ جسمِ خاکی عشق سے افلاک پر پہونچا۔ پہاڑ رقص میں آکر چسپت و چالاک ہو گیا۔

ان اشعار میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عشق خوش سودا کو تمام بیماریوں کا طبیب اور اسی عشق کو اپنی نخوت و ناموس کی دوا اور اسی عشق کو اپنا افلاطون اور جالینوس فرما کر اس کی مدح فرمائی ہے۔ پہلے شعر کے ساتھ ان اشعار کو ملا کر پڑھیئے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مفہوم آپ پر واضح ہو جائیگا۔ کہ زورِ گندم عشق نہیں کیونکہ وہ انسانی خواہشات کو ابھارتا اور انسان کو بے شمار امراضِ قلبیہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عشق تو ان کے نزدیک ایک ایسا جوہرِ لطیف ہے کہ اگر وہ کسی کے وجودِ نفسانی کا جامہ چاک کر دے تو وہ حرص اور ہر عیب سے پاک ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں: عشق ہی ہماری تمام بیماریوں کا طبیب اور نخوت و ناموس کی دوا ہے۔ اسی عشق نے جسد خاکی کو افلاک پر پہنچایا۔ اور اسی عشق سے پہاڑ رقص میں آیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا کے نزدیک زورِ گندم عشق نہیں کیونکہ وہ امراضِ قلبیہ کا سبب ہے۔ اور عشق ان کے نزدیک تمام امراض قلبیہ کا طبیب ہے؛

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

محبت

اس ضمن میں پھلواروی صاحب نے ایک لطیف میلانِ قلب کا نام محبت رکھا ہے۔ گویا ان کے نزدیک محبت میں نفسانی خواہش، زورِ گندم اور حسن و شباب سے تعلق کا شائبہ ممکن ہی نہیں۔ حالانکہ اہلِ عرب کے کلام اور محاورات میں محبت کا لفظ حسن و شباب کے تعلق، نفسانی خواہش اور زورِ گندم کے معنیٰ میں بھی بکثرت مستعمل

ہے۔ حدیث میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً بخاری شریف میں ہے :۔ اِنَّهَا كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَآءَ فَطَلَبْتُ مِنْهَا فَاَبَتْ ۔ یعنی غار میں پھنسے ہوئے تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔ میرے چچا کی بیٹی تھی۔ جس سے میں ایسی محبت کرتا تھا۔ جیسی شدید ترین محبت مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے۔ لہٰذا میں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی تو اس نے انکار کر دیا۔ (بخاری جلد: ۱ ص ۳۱۴)

الفاظِ حدیث کی روشنی میں پھلواروی صاحب کے اپنے من گھڑت عشق کے معنےٰ اور محبت میں کیا فرق رہا؟ مولانا رومی کے اشعار میں تو عارفین کا عشق مذکور تھا۔ جو راحۃ العاشقین کے الفاظ سے مراد ہے۔ اب اہلِ لغت کی طرف آیئے تمام اہل لغت نے لفظِ عشق پر کلام کرتے ہوئے اس کے معنےٰ "فرطِ محبت" کے لکھے ہیں۔ مختار الصحاح صد ۴۳۷ میں ہے۔ اَلْعِشْقُ فَرْطُ الْحُبِّ ۔ اسی طرح لسان العرب جلد ۱۰ ص ۲۵۱، تاج العروس جلد ۷ ص ۱۳۳ اور قاموس جلد: ۳ ص: ۲۶۵ میں ہے۔

جس طرح محبت پاکیزہ بھی ہوتی ہے اور خبیث بھی۔ اسی طرح عشق بھی پاکیزگی اور خبث دونوں میں پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ قاموس میں ہے: اَلْعِشْقُ ..... اِفْرَاطُ الْحُبِّ وَيَكُوْنُ فِيْ عَفَافٍ وَفِيْ دَعَارَةٍ ۔ (ص ۲۶۵ جلد ۳) یعنے عشق کا معنےٰ افراطِ محبت ہے جو پاک دامنی میں ہوتا ہے اور خبث میں بھی۔ معلوم ہوا کہ عشق اور محبت میں شدت اور افراط کے سوا کوئی فرق نہیں۔

لفظِ عشق کا ثبوت

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں کہ "لفظِ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف

لفظ ہے کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ نے اس لفظ کے استعمال سے مکمل احتراز کیا ہے
قرآن وحدیث میں لفظِ "عشق" سے مکمل احتراز کا دعویٰ محلِ نظر ہے۔ قرآن
میں نہ سہی مگر حدیث میں "عَشِقَ" کے الفاظ موجود ہیں۔ بروایت خطیبِ
بغدادی حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے "مَنْ
عَشِقَ فَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ شَهِيدًا۔ یعنی جس کو کسی سے عشق
ہوا پھر وہ پاک دامن رہتے ہوئے مرگیا تو وہ شہید ہے۔ اس کے علاوہ دوسری
حدیث بھی بروایتِ خطیب۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے مروی ہے: مَنْ عَشِقَ فَكَتَمَ وَعَفَّ فَمَاتَ فَهُوَ شَهِيدٌ۔
یعنی جس کو کسی سے عشق ہوا پھر اس نے چھپایا اور پاک دامن رہتے ہوئے مر
گیا تو وہ شہید ہے۔ (الجامع الصغیر جلد ۲ صہ ۱۷۵ طبع مصر)

اگرچہ ان دونوں حدیثوں میں ضعف کا قول کیا گیا ہے۔ لیکن اس حدیث
کو امام سخاوی نے مقاصدِ حسنہ میں اسانیدِ متعددہ سے وارد کیا۔ بعض
میں کلام کیا۔ اور بعض کو برقرار رکھا۔ جن اسانید کو برقرار رکھا وہ ضعیف نہیں۔
چنانچہ امام سخاوی نے اس حدیث کی اسانید میں سے ایک سند کے متعلق فرمایا:
وَهُوَ سَنَدٌ صَحِيحٌ (مقاصدِ حسنہ صہ ۴۲۰)

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام خرائطی اور دیلمی وغیرہما نے
روایت کیا۔ بعض محدثین کے نزدیک اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ عَشِقَ
فَعَفَّ فَكَتَمَ فَصَبَرَ فَهُوَ شَهِيدٌ۔ جس کو کسی سے عشق ہوگیا پھر وہ پاک دامن
رہا اور اسے چھپایا۔ اور صبر کیا تو وہ شہید ہے۔ اور امام بیہقی نے اسے طرقِ
متعددہ سے روایت کیا۔ (مقاصدِ حسنہ صہ ۴۱۹، صہ ۴۲۰ طبع مصر)

اہل علم جانتے ہیں کہ طرقِ متعددہ سے سندِ ضعیف کو تقویت حاصل ہوجاتی

ہے۔ مختصر یہ کہ لفظ عَشِق حدیث میں وارد ہے۔ قرآن وحدیث میں اس سے مکمل احتراز کا جو دعویٰ کیا گیا ہے۔ صحیح نہیں۔

عدم ورود ثبوت سخافت نہیں

علاوہ ازیں پھلواروی صاحب کی یہ دلیل کہ لفظِ عشق چونکہ قرآن وحدیث میں وارد نہیں ہوا۔ اس لئے وہ نہایت گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف ہے۔ قطعاً درست نہیں۔ بکثرت کلماتِ فصیحہ کتاب وسنّت میں وارد نہیں ہوئے۔ مثلاً لفظ "ظُروف" اور اس کا واحد "ظَرف" قرآن میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ نیز "نُظُم" اور "نسق" دونوں محاوراتِ عرب میں کثیر الاستعمال اور فصیح ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی قرآن مجید میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ نہ ان دونوں میں سے کوئی لفظ کسی حدیث میں آیا ہے۔ ترمذی شریف میں "نِظامِ بَالٍ" کے الفاظ وارد ہیں (جلد ۹ صہ ۵۹ طبع مصر) اور مسندِ امام احمد میں ایک جگہ لفظِ "مُنظُومَات" اور دوسری جگہ "اِنتَظَمتُ" کا لفظ آیا ہے، (جلد ۲ ص ۲۱۹، جلد ۴: صہ ۵۲ طبع بیروت) لیکن لفظِ نظم بعینہٖ آج تک کسی حدیث میں منقول نہیں ہوا۔ اسی طرح نَاسِقُوا بَینَ الحَجِّ وَالعُمرَۃِ کے الفاظ بعض علمائے حدیث سے نقل کئے ہیں۔ (مجمع بحار الانوار جلد ۳ صہ ۳۵۲ طبع نولکشور) لیکن لفظِ نَسَق آج تک کسی حدیث سے کسی نے نقل نہیں کیا۔ کیا پھلواروی صاحب ان الفاظ کو بھی گھٹیا، گرا ہوا اور سخیف قرار دیں گے؟

پھر یہ کہ لفظِ عشق نہ سہی مگر اس کے معنےٰ (شدتِ محبت اور فرطِ محبت) جو لغت کی معتبر کتابوں سے ہم نقل کر چکے ہیں۔ قرآن وحدیث میں بکثرت وارد ہیں جیسے وَالَّذِینَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ۔ اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے لئے

بہت زیادہ محبت رکھنے والے ہیں (پ۲ البقرہ)
اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مومن وہی ہے جس کے دل میں سب سے زیادہ میری محبت ہو (بخاری جلد اول، مسلم جلد ا، صد ۴۹) شدتِ محبت اور زیادتِ محبت ہی عشق کے معنیٰ ہیں جو اس آیت اور اس حدیث میں وارد ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی فرطِ محبت کے معنیٰ میں علما، اور صلحاءِ امت اور فصحاء ملت نے نظماً ونثراً اس لفظِ عشق کو جس کثرت سے استعمال کیا ہے۔ کسی سے مخفی نہیں۔ کیا اس کے بعد بھی اسے گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف کہنے کا جواز باقی رہتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ لفظِ عشق اصل میں گھٹیا اور گرا ہوا نہیں ہے۔ نہ بقول پھلواری صاحب قرآن وحدیث میں اس کا عدمِ استعمال اس کے گھٹیا، سخیف اور گرا ہوا ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ پھلواروی صاحب کی ذہنیت رکھنے والے اگلے پچھلے لوگوں نے اس کے معنیٰ زورِ گندم سمجھ کر اسے گرے ہوئے، گھٹیا اور سخیف معنیٰ میں استعمال کیا۔ اسی لئے اس کا استعمالِ عام مذموم قرار پایا۔ بجز ایسے بعض استعمالات کے جہاں سخیف اور گھٹیا معنیٰ کا واہمہ متصور ہی نہ ہو۔ جیسے رَاحَۃُ الْعَاشِقِیْنَ، یہاں اس قسم کے توہم کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

۱۰
دسواں اعتراض اور اس کا جواب

اقارب سے کمال درجے کی محبت

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "انسان کو اپنے والدین سے بہن، بھائی سے دختر وفرزند سے کمال درجے کی محبت تو ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے لیکن ان میں سے کسی

ایک سے بھی عشق نہ ہوتا ہے اور نہ ہوسکتا ہے"۔ انتہیٰ۔

ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ عشق کے معنےٰ کمال درجے کی محبت کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ماں باپ، بہن بھائی کے ساتھ کمالِ محبّت کو عشق اس لئے نہیں کہا جاتا اور نہ کہا جا سکتا ہے کہ پھلواروی صاحب جیسی ذہنیت رکھنے والوں نے خمارِ گندم کا نام عشق رکھ دیا ہے۔ جس کا تصور بھی والدین اور بہن، بھائی کے متعلق نہیں کیا جا سکتا۔

۱۱ گیارہواں اعتراض اور اس کا جواب

زورِ گندم اور عشق

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں محبت کو بقا ہوتی ہے۔ عشق فانی ہے : انتہیٰ۔ درست فرمایا! زورِ گندم یقیناً فانی ہے، مگر وہ عشق نہیں۔ عشق تو کمالِ محبت کا نام ہے اور وہ باقی ہے۔

۱۲ بارہواں اعتراض اور اس کا جواب

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو معشوق کہنا جائز نہیں

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معشوق کہنا انتہائی بدتمیزی ہے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معشوق نہیں تو راحۃ العاشقین کس طرح ہو سکتے ہیں"؟ انتہیٰ

بجا فرمایا۔ کوئی صاحبِ ہوش وحواس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں یہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کہے گا تو یقیناً بدتمیز قرار پائے گا۔ مگر صاحبِ درودِ تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں یہ لفظ نہیں کہا۔

اس مقام پر پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معشوق نہیں تو "راحۃ العاشقین" کیسے ہو سکتے ہیں؟ انتہائی مضحکہ خیز ہے حکم اور اطلاق کا فرق بھی پھلواروی صاحب نہیں سمجھ سکے۔ عشق کے معنے کمالِ محبت کے اعتبار سے اَلعَاشِقِیْنَ کے معنے مُحِبّین کاملین ہیں جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محبوبِ اکمل ہیں محبوبِ اکمل اپنے محبِ کامل کی راحت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ درودِ تاج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر محبوبِ اکمل ہونے کا حکم ہے۔ لفظِ معشوق کا اطلاق نہیں۔

صاحبِ درودِ تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو راحۃ العاشقین کہاہے معشوق نہیں کہا۔ پھلواروی صاحب کا ان پر یہ الزام کہ انہوں نے راحۃ العاشقین کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معشوق کہہ دیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معشوق نہیں تو راحۃ العاشقین کیسے ہو سکتے ہیں۔ بالکل ایسا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کو "خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ" کہنے والے پر یہ الزام لگا دیا جائے کہ معاذ اللہ اس نے اللہ تعالیٰ کو خَالِقُ الْخَنَازِیر کہہ کر شانِ الوہیت میں گستاخی کی ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ خالق الخنازیر نہیں تو خالق کل شیٔ کیسے ہو سکتا ہے؟ جس طرح یہ الزام قطعاً غلط اور لغو ہے۔ اسی طرح راحۃ العاشقین کہنے کی بنیاد پر مؤلفِ درودِ تاج پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معشوق کہنے کا الزام بھی غلط، بیہودہ اور لایعنی ہے۔

رَاحَۃِ الْعَاشِقِیْنَ پر اعتراض کا خمیازہ

اگر پھلواروی صاحب ''رَاحَۃِ الْعَاشِقِیْنَ'' کے الفاظ سے یہ الزام نکالتے ہیں کہ درودِ تاج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق کہا گیا ہے۔ تو اپنے اوپر بھی اس الزام کو قبول کرلیں کہ انہوں نے ماں، بہن اور بیٹی کو محبوبہ کہا ہے۔ جبکہ ماں، بہن اور بیٹی کو اس کے بیٹے، بھائی اور باپ کی محبوبہ کہنا انتہائی معیوب ہے۔ ہم ابھی پھلواروی صاحب کا کلام نقل کر چکے ہیں کہ انسان کو اپنے والدین، بھائی بہن سے دختر و فرزند سے کمال درجہ کی محبّت ہوتی ہے پھلواروی نے یہ کہہ کر ماں بہن اور بیٹی کو محبوبہ کہدیا۔ کیونکہ اگر وہ محبوبہ نہیں تو ان کے ساتھ کمال درجہ کی محبّت کیسے ہوسکتی ہے؟

اگر پھلواروی صاحب اپنے اوپر یہ الزام قبول کرنے کو تیار نہیں تو درودِ تاج کے مؤلف پر یہ الزام رکھنا سراسر ناانصافی نہیں تو کیا ہے؟

۱۳

تیرھواں اعتراض اور اس کا جواب

''مَحْبُوْبُ رَبِّ الْمَشْرِقَیْنِ''

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں محبوب کا لفظ لغۃً تو غلط نہیں ہو سکتا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ لفظ میری ناقص نگاہوں سے نہیں گزرا۔ صحابہ کرام ''خَلِیْلِیْ'' یا ''حَبِیْبِیْ'' تو کہتے تھے لیکن ''مَحْبُوْبِیْ'' و ''مَعْشُوْقِیْ'' کبھی نہ کہا۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

پھلواروی صاحب کے آخری جملے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو محبوب کہنا اور معشوق کہنا دونوں کا حکم ایک ہے۔ لفظِ معشوق کے متعلق تو ہم
ابھی کہہ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں یہ لفظ کہنا انتہائی
بدتمیزی ہے۔ بجز کسی بے حواس کے کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کو معشوق نہیں کہہ سکتا۔ لیکن لفظِ محبوب کو بھی اس کے ساتھ ملا دینا انتہائی
جسارت ہے۔ کیا پھلواروی صاحب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم کی ثناء میں کوئی ایسا لفظ جائز نہیں۔ جو صحابہ نے نہ کہا ہو؟

عدمِ ورود دلیل عدمِ جواز نہیں

اگر واقعی وہ یہ سمجھتے ہیں تو بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہیں۔ متقدمین ومتاخرین
علماء وصلحاء امت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وثناء میں
بے شمار ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو صحابۂ کرام سے ثابت نہیں۔ مثلاً
"وَسِیْلَتِیْ"، "مُحْسِنِ اَعْظَم"، "اِمَامُ الْاَنْبِیَاءِ"، جن پر آج تک
کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور وہ بلاشبہ جائز ہیں۔ ہاں! ایسا کوئی لفظ جو آنحضور
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شایانِ شان نہ ہو کسی کے نزدیک جائز نہیں، نہ
درودِ تاج میں کوئی ایسا لفظ وارد ہوا۔

پھلواروی صاحب کے اس آخری جملے سے کچھ ایسا بھی محسوس ہوتا ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب ہونے کا تصور ان کے لئے
معاذ اللہ سوہانِ روح ہے۔
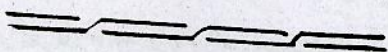
۱۴ چودھواں اعتراض، اور اس کا جواب

"جَدِّ الْحُسَنِ وَالْحُسَیْنِ" — حسنین کریمین بلکہ جمیع امت مسلمہ باعث فخر

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں : " رسم دنیا کے مطابق چھوٹا اپنے بڑوں کے لئے باعثِ فخر ہو سکتا ہے۔ لیکن صرف اس وقت جبکہ وہ مجموعی حیثیت سے یا کسی خاص امتیازی کارگزاری میں اپنے بزرگوں سے آگے نکل جائے۔ یا کم از کم ان کے برابر ہو جائے یا کسی ایسے وصف کا مالک ہو جائے۔ جو اس کے بڑوں کو حاصل ہی نہ ہوا ہو۔ نواسۂ رسول ہونا حضرات حسنین کے لئے باعثِ فخر ہو سکتا ہے لیکن آنحضرت کے لئے حسنین کا نانا ہونا قطعًا کوئی شرف نہیں۔ مہاجرین و انصار کو چھوڑ کر کسی ایسے کو باعثِ فخر بنانا جو نہ مہاجر ہے نہ انصار۔ یقینًا ایک ایسی غالیانہ ذہنیت کا غماز ہے جس کا اہلِ سنت سے کوئی تعلق نہیں"۔ الخ (ملخصًا)

پھلواروی صاحب نے رسمِ دنیا کا سہارا لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ دین کے کسی گوشے میں انہیں پناہ نہیں ملی۔ ذرا دین کے میدان میں آیئے ہم آپ کو بتائیں گے کہ کسی کا باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو متلزم نہیں کہ جس شخص کے باعث فخر کیا جائے وہ فخر کرنے والے سے افضل یا اس کے برابر ہو۔ دیکھیے حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا : "اِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاَنْبِیَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"۔ میں تمہارے باعث قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام پر فخر کروں گا۔ (مسند احمد جلد ۳ صـ ۲۴۵ طبع بیروت) اور ترمذی میں ہے: "اِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمْ" میں تمہارے باعث فخر کروں گا (ترمذی جلد ا صـ ۳ طبع دہلی)

اور ابوداؤد میں ہے فَاِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمْ بے شک میں تمہارے سبب فخر کروں گا (ابوداؤد، جلد ۱ ص ۲۸۰، طبع اصح المطابع کراچی) یہی الفاظ نسائی میں بھی ہیں۔ (جلد ۲ ص ۵۹ طبع دہلی) اور مسندِ احمد میں ایک دوسری جگہ وارد ہے۔ وَ مُکَاثِرٌ بِکُمْ میں تمہاری وجہ سے فخر کروں گا۔ (ص ۳۵۱ جلد ۴ طبع بیروت) اور ابنِ ماجہ میں ہے وَاِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ اور بے شک میں تمہارے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ (ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۹۱ طبع اصح المطابع کراچی)

کتبِ احادیث میں روایاتِ منقولہ بتفاوتِ یسیر متعدد مقامات پر مختلف صحابۂ کرام سے مرفوعاً وارد ہیں۔ جن کی دلالتِ قطعیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہے۔ حسنین کریمین، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔ صرف صحابی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولادِ امجاد اور اہلِ بیتِ اطہار ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہے تو حسنین کریمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے لئے بطریقِ اولیٰ باعثِ فخر ہیں جبکہ امت کے کسی ایک فرد کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے افضل یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے برابر ہونا بھی ممکن نہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً افضل الخلق ہیں۔

ثابت ہوا کہ حسنین کریمین کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ معاذ اللہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے برابر ہوں۔ پھلواروی صاحب

کی غلط فہمی یہ ہے کہ انہوں نے حسنین کریمین کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے لئے باعث فخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے ان کے افضل ہونے کو متلزم سمجھ لیا اور یہ قطعاً غلط ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں وارد ہے "اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلٰئِکَۃَ " حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا اے میرے صحابہ بے شک اللہ عزوجل تمہارے باعث ملائکہ پر فخر فرماتا ہے۔ یہ حدیث مسلم شریف جلد ۲ صہ ۳۴۶ (طبع اصح المطابع کراچی) اور مسندِ امام احمد جلد ۲ صہ ۱۸۶، صہ ۱۸۷ (طبع بیروت) پر وارد ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ امتِ محمدیہ، اللہ تعالیٰ کے لئے بھی باعثِ فخر ہے۔ کیا پھلواروی صاحب معاذ اللہ یہاں بھی اس استلزام کو تسلیم کریں گے؟ (العیاذ باللہ)۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ حضور کی امت پر اللہ تعالےٰ کا فخر فرمانا اللہ تعالےٰ ہی کی علوِّ شان کی دلیل ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے امت محمدیہ کو یہ فضل وشرف عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے باعث ملائکہ پر فخر فرماتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حسنینِ کریمین اور حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی باقی امت کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا حضور سے افضل ہونے کو متلزم نہیں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی افضلیت کو متلزم ہے۔ کیونکہ ان حضرات کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے لئے باعث فخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ہی کے فیض اور نسبت کی وجہ سے ہے اگر امت کی اضافت حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی طرف نہ ہوتی یا حسنین کریمین کو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کا نواسہ ہونے کی نسبت حاصل نہ ہوتی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے فیض سے محروم ہوتے تو ان میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر نہ ہو سکتا تھا۔ جس سے

ظاہر ہوا کہ درحقیقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی فضیلت ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر فضیلت اللہ تعالٰے کی عظمت شان کی دلیل ہے۔ کہ اسی نے اپنے محبوب کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں "جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ" کے الفاظ محض بطور لقب اور تعریف استعمال ہوئے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قولِ مبارک "اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ" (صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۶۱۷۔ طبع اصح المطابع کراچی۔ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۱۰۰ طبع اصح المطابع کراچی)

"جدّ الحسن والحسین" کے الفاظ ہوں یا "انا ابن عبد المطلب" کے نوری کلمات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے حصولِ فضل و شرف کے معنٰے کا ان سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

اس کے بعد آگے چل کر "جدالحسن والحسین" کے الفاظ کو پھلواری صاحب غالیانہ ذہنیت کا غماز قرار دے رہے ہیں جبکہ حسنین کریمین کے تمام فضائل و مناقب کو نظر انداز کر کے ان کے مہاجر و انصار نہ ہونے کا ذکر جس انداز میں پھلواروی صاحب نے کیا ہے۔ وہ خود اہل بیتِ اطہار کے حق میں ان کی متعصبانہ ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ فیا للعجب۔

۱۵/
پندرھواں اعتراض اور اس کا جواب

نام مخفی رکھنے کی توجیہ

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: میں ابھی تک درودِ تاج کے اصلی مصنف کا نام معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ غالبًا نام مخفی رکھنے ہی میں مصلحت ہے

گی تاکہ خوش عقیدہ لوگوں میں آسانی سے مقبول ہو کر رائج ہو جائے۔ انتہیٰ۔

پھلواروی صاحب اپنی ناکامی کی جھنجلاہٹ میں ایسے برسے کہ گویا ان کے کان میں کسی نے کہہ دیا کہ درودِ تاج کے مؤلف نے خود اپنا نام مخفی رکھا ہے۔ بالفرض ایسا ہو بھی تو ان کے حق میں اِس سوءِ ظن کا کیا جواز ہے کہ انہوں نے خوش عقیدہ لوگوں میں اسے رائج اور مقبول بنانے کے لئے اپنا نام مخفی رکھا ہے۔ کیا ان کے حق میں بحیثیت مؤمن ہونے کے یہ حسنِ ظن درست نہیں کہ محض ریا اور سُمعہ سے بچنے کے لئے اپنا نام چھپایا ہو؟ کیسی عجیب بات ہے کہ کسی مؤلف کا نام معلوم نہ ہو سکے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اپنی تالیف کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے مؤلف نے اپنا نام مخفی رکھا ہے۔ درودِ تاج تو چند سطور پر مشتمل ہے۔ فنونِ عربیہ میں کئی ایسی کتابیں مروّج و مقبول ہیں۔ مثلاً میزان الصرف، شرح مأتہ عامل، پنج گنج وغیرہ جن کے مؤلفین کے نام آج تک متعین ہو کر عام طور پر سب اہلِ علم کو معلوم نہ ہو سکے۔ تو کیا بقول پھلواروی صاحب یہی کہا جائے گا کہ ان لوگوں نے خوش عقیدہ عوام میں اپنی تالیفات کو مقبول اور مروّج کرنے کے لئے اپنے ناموں کو مخفی رکھا؟ ذرا سوچئے! یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔

۱۶
سولہواں اعتراض اور اس کا جواب

وظائف اولیاء کی زبان کو گھٹیا کہنا

فرماتے ہیں: ”ایسے ایسے کئی وظائف عوام میں رائج ہو گئے ہیں۔ جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔ ان کی عربی زبان بھی نہایت گھٹیا قسم کی ہے۔ بلکہ بعض وظائف تو سراسر مشرکانہ قسم کے ہیں“ انتہیٰ۔

میں عرض کروں گا کہ درودِ تاج اور اس جیسے وظائفِ صلحاء امت کو گھٹیا قسم کی زبان کہنا انتہائی گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ جیسا کہ ہمارے جوابات سے واضح ہے۔ بقیہ وضاحت عنقریب آرہی ہے۔ بے شک جہلاء عوام میں بکثرت بے سروپا مشرکانہ وظائف وعملیات رائج ہیں جو سحر، جادو اور ٹونہ کے اقسام سے ہیں۔ صلحاء امت نے نہ انہیں کبھی قبول کیا نہ وہ قبول کرنے کے لائق ہیں۔ لیکن درودِ تاج اور اس جیسے وظائفِ اولیاء کرام کو ان سے کیا نسبت ؟۔ وہ تو علماء وصلحاء امت کے مقبول اور پسندیدہ معمولات میں سے ہیں۔ خود پھلواری صاحب کے بزرگوار اور پیر ومرشد بھی درودِ تاج کی کمالِ عظمت اور مقبولیت کے قائل ہیں۔ ان کے اپنے پمفلٹ میں یہ مضمون موجود ہے کہ خسروی صاحب نے ایک خط کے ذریعے ان سے پوچھا: "مولانا قاری شاہ سلیمان صاحب پھلواری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " صلوٰۃ وسلام " میں لکھا ہے کہ حضرتِ خواجہ سید ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درودِ تاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جناب میں زیارت کے وقت پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس درود کے لئے منظوری عطا فرمایئے کہ یہ ایصالِ ثواب کے وقت ختم میں پڑھا جایا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا۔ انتہیٰ کلامہٗ ص ۱۳

پھلواروی صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں: غلطی بہر حال غلطی ہے خواہ کسی سے اس کا صدور ہو۔ حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی میرے مرشد بھی ہیں اور پدرِ بزرگوار بھی۔ مجھے ان سے بے حد عقیدت ہے۔ لیکن ایسی اندھی عقیدت بھی نہیں۔ کہ انہیں معصوم عن الخطاء سمجھنے لگوں۔

انتہیٰ کلامہٗ۔ ۱۴

پھلواروی صاحب کا اپنے مرشد کو مشرک بتانا

پھلواروی صاحب نے اس جواب میں اپنے "خلفِ رشید" مریدِ صادق اور بے حد عقیدت مند ہونے کا جو مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ بے شک ان کے پدرِ بزرگوار معصوم عن الخطاء نہیں لیکن خطاء کے مدارج ہیں۔ جس خطاء کا صدور ایک مبتدی طالب علم سے بھی متصور نہ ہو۔ پھلواروی صاحب کا اس میں اپنے پدرِ بزرگوار صاحبِ فضل وکمال، مرکزِ عقیدت، مرشدِ کامل کو عمر بھر مبتلا سمجھنا مقام حیرت نہیں۔ تو کیا ہے؟

یہی نہیں بلکہ عمر بھر انہیں درودِ تاج کے مشرکانہ ہونے کا بھی علم نہ ہوا۔ گویا وہ شرک و توحید میں بھی امتیاز نہ کر سکے۔ بلکہ ایک غلط سلط مشرکانہ کلام کا بارگاہِ رسالت میں مقبول و منظور ہونا بھی انہوں نے تسلیم کر لیا۔ حتیٰ کہ اپنی کتاب "صلوٰۃ وسلام" میں بلا نکیر اسے درج کر دیا۔

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

پھلواروی صاحب نے درودِ تاج کے علاوہ صالحینِ امت کے دیگر کئی معمولات کی بھی سخت مذمت کی ہے اور انہیں مشرکانہ قرار دیا ہے۔ اور ان کا مذاق اڑا کر عامۃ المسلمین کی نظروں میں انہیں بے وقعت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

مگر یاد رہے کہ ان کی عظمت و مقبولیت کو نقصان پہونچانا پھلواروی صاحب کے بس کا روگ نہیں۔ ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ قدسیاں ہرگز نہ میرد

۱۷ سترھواں اعتراض اور اس کا جواب

وظائف اولیاء کو خلاف قرآن و سنت کہنا

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں " ان وظائف کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ توحید کو قرآنی دعاؤں اور ماثورہ ادعیہ سے ہٹا دیا جائے "۔

میں عرض کروں گا یہ کوئی نئی بات نہیں، منکرینِ حدیث بھی یہی کہا کرتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ گھڑنے کا مقصد یہی ہے کہ اہلِ قرآن کو قرآن سے ہٹا دیا جائے۔

اٹھارہویں اعتراض کا جواب

" یَا اَیُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ "

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: کس مبتدی طالب علم کو یہ نہیں معلوم کہ مشتاق کا صلہ " اِلیٰ " ہوتا ہے " ب " نہیں ہوتا؟ اتنی بھونڈی غلطیاں کوئی اہل علم نہیں کر سکتا۔

یہ اعتراض پھلواروی صاحب کی لاعلمی پر مبنی ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہاں " اَلْمُشْتَاقُوْنَ "، " اَلْعَاشِقُوْنَ " کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ اور " عشق " کا صلہ " ب " آتا ہے " اِلیٰ " نہیں آتا۔ قاموس میں ہے عَشِقَ بِهٖ (جلد ۳ صہ ۲۶۵) نیز تاج العروس جلد ۷ صہ ۱۳ اور اقرب الموارد جلد ۲ صہ ۷۸۶ میں بھی عشق کا صلہ " ب " مذکورہ ہے۔ شاید پھلواروی صاحب اتنا بھی نہیں

سمجھتے کہ جب کوئی لفظ کسی دوسرے لفظ کے معنیٰ کو متضمن ہو تو اس کے صلہ میں وہی حرف آئے گا جو اس دوسرے لفظ کے صلہ میں آتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَائِکُمْ ۔ الآیۃ (پ۲ البقرہ) کس مبتدی طالب علم کو معلوم نہیں کہ رَفَثَ کا صلہ "ب" آتا ہے "اِلٰی" نہیں آتا۔

لسان العرب میں ہے "وَقَدْ رَفَثَ بِهَا" (جلد ۲ ص ۱۵۴) چونکہ آیت کریمہ میں لفظ رَفَثُ "اِفْضَاءٌ" کے معنیٰ کو متضمن ہے جس کا صلہ اِلٰی آتا ہے۔ لسان العرب میں ہے اُفْضَیْتُ اِلَی الْمَرْأَۃِ (جلد ۲ ص ۱۵۴)۔ اس لئے آیتِ کریمہ میں لفظِ رفث کا صلہ اِلٰی وارد ہوا۔

حدیث شریف وارد ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے صَرِّفْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ (ص ۲۱) کس مبتدی طالب علم کو معلوم نہیں کہ صَرِّفْ کا صلہ اِلٰی آتا ہے عَلٰی نہیں آتا۔ مگر چونکہ یہ لفظ ثَبِّتْ کے معنیٰ کو متضمن ہے جس کا صلہ عَلٰی ہے۔ اس لئے حدیثِ پاک میں اِلٰی کی بجائے عَلٰی وارد ہوا۔

کیا پھلواروی صاحب قرآن و حدیث کے الفاظ کو بھی معاذ اللہ بھونڈی غلطیاں قرار دیں گے؟ اگر نہیں تو انہوں نے "مشتاقون" کے صلہ کو جو بھونڈی غلطی قرار دیا ہے۔ تسلیم کر لیں۔ کہ درودِ تاج کی بجائے یہ ان کی اپنی بھونڈی غلطی ہے۔

الحمد للہ ہم نے درودِ تاج سے متعلق ان کے ہر اعتراض کا جواب مکمل و مدلل لکھ دیا ــ اور ساتھ ہی پھلواروی صاحب کے اعتراضات بھی انہی کے الفاظ میں نقل کر دیئے ہیں۔

ناظرین کرام سے التماس ہے کہ تعصب سے بالاتر رہ کر عدل و انصاف کی

روشنی میں فیصلہ فرمالیں کہ پھلواروی صاحب کے سوالات میں طالب علمانہ استفسار ہے یا دلی تعصب و عناد کا اظہار؟

ہمارے جوابات کی روشنی میں آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ پھلواروی صاحب نے دررِ تاج میں جن اغلاط کی نشان دہی کی ہے۔ وہ اغلاط نہیں بلکہ پھلواروی صاحب کی لاعلمی اور متعصبانہ ذہنیت کا شاہکار ہیں۔

۱۹ انیسواں اعتراض اور اس کا جواب

غلطی کا انکشاف

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "یہ کوئی ضروری نہیں کہ آج اگر کوئی بات کسی پر منکشف ہوئی ہو تو لازماً گزشتہ بزرگوں پر بھی منکشف ہو چکی ہو، خود میں بھی اب تک دررِ تاج کو ایک آسمانی اور الہامی قسم کی چیز سمجھتا تھا۔ لیکن جب حقیقتِ حال منکشف ہو کر سامنے آگئی تو (من بعد ما جاءنی من العلم) اپنے قدیم خیال پر جمے رہنے کا کوئی جواز نظر نہیں آیا۔" انتہیٰ کلامہ

پھلواروی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دررِ تاج میں غلطیاں موجود ہونے کے باوجود اگر میرے مرشد اور پدر بزرگوار اور مرکزِ عقیدت شاہ سلیمان صاحب پھلواروی پر وہ منکشف نہیں ہوئیں اور مجھ پر ان کا انکشاف ہو گیا۔ تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ "یہ کوئی ضروری نہیں کہ آج اگر کوئی بات کسی پر منکشف ہوئی ہو تو لازماً گزشتہ بزرگوں پر بھی منکشف ہو چکی ہو۔"

میں عرض کروں گا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آج اگر کسی کلام میں کوئی غلطی نکالے تو لازماً گزشتہ بزرگوں نے بھی اسے غلطی کہا ہو؟ ممکن ہے کہ اس کلام

کو غور و فکر سے دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود بھی گذشتہ بزرگوں کے نزدیک وہ چیز
غلطی نہ ہو جسے آج کوئی شخص غلطی کہہ رہا ہے۔ باقی غیبی اور حقائق غامضہ
خفیہ اور مسائل دقیقہ کے بارے میں تو پھلواروی صاحب کی یہ بات کسی حد تک
تسلیم کی جاسکتی ہے کہ ان میں سے کوئی غیبی حقیقت یا بہت باریک و دقیق،
پوشیدہ بات گذشتہ بزرگوں پر منکشف نہ ہوئی ہو اور بعد میں بذریعہ الہام یا غور و
خوض کرنے سے کسی پر اس کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن جو بات ابتدائی طالب علم
اور معمولی عربی دان بھی جانتا ہو، وہ گذشتہ علماء راسخین اور بزرگان دین پر مخفی
رہے۔ اور مدتوں بعد کسی پر اس کا انکشاف ہو، قابل فہم نہیں۔ پھلواروی صاحب
جن کے سامنے درود تاج رہا اور وہ اب تک اسے آسمانی اور الہامی چیز سمجھتے رہے
کیا وہ اپنی عمر کے اس طویل زمانے میں ایک معمولی عربی دان اور مبتدی طالب علم
کی استعداد بھی نہ رکھتے تھے کہ درود تاج کی بھونڈی بھونڈی غلطیاں بھی انہیں
نظر نہیں آئیں۔ اور اب اچانک ان کے پاس نہ معلوم کہاں سے ایسا علم آ
گیا کہ درود تاج کی غلطیاں ان پر منکشف ہو گئیں جس کی وجہ سے انہیں اپنے
قدیم خیال پر جمے رہنے کا کوئی جواز نظر نہ آیا۔

ناظرین خود فرمائیں کہ پھلواروی صاحب کی یہ بات کہاں تک قابل فہم ہے
حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس سارے کلام میں محض سخن سازی سے کام لیا ہے
جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

بیسواں اعتراض اور اس کا جواب

غلط انتساب

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "غلط انتساب کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ کسی چیز کو مقبول بنانے کے لئے کسی مقبول شخصیت کی طرف منسوب کر دینے کا رواج کوئی نیا نہیں، بہت قدیم ہے۔ روحانی اشارات، کشف اور خواب وغیرہ اس مقصد کے لئے گھڑ لئے جاتے ہیں، خود قصے بھی تصنیف کر لئے جاتے ہیں"

انتہی کلامہٗ۔

پھلواروی صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے گذارش ہے کہ صلحاء امت کے وظائف اور درود تاج آپ کے نزدیک مشرکانہ اور غلط سلط ہیں جس کا مقصد آپ کے نزدیک یہی ہے کہ اہل توحید کو قرآن اور ادعیۂ ماثورہ سے ہٹایا جائے مگر اسی درود تاج کی مقبولیت کے ثبوت میں یہ قصہ آپ کے پدر بزرگوار، مرشد کامل اور مرکز عقیدت نے اپنی کتاب "صلوٰۃ وسلام" میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ اس قصے کو جھوٹا اور من گھڑت بتا رہے ہیں۔ لگے ہاتھوں آپ اسے جھوٹا اور من گھڑت کہیں گے، اتنی بات بتا دیجئے کہ مشرکانہ، غلط سلط اور قرآن وحدیث سے ہٹانے والے درود تاج کی مقبولیت کے ثبوت میں اس قصے کو لکھنے والا، مرشد کامل اور مرکز عقیدت ہو سکتا ہے؟۔ آپ کا صرف یہ کہہ دینا کہ میں انہیں معصوم عن الخطاء نہیں سمجھتا، کافی نہیں۔ آپ کو یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کی یہ خطا کس نوعیت کی ہے! کیا مشرکانہ کلام کی تائید عقیدۂ توحید کے منافی نہیں؟ شرک کو آپ توحید کی نقیض نہیں مانتے؟ شرکیہ کلام کی فضیلت و مقبولیت ثابت کرنا بھی شرک ہے۔

کو غور و فکر سے دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود بھی گذشتہ بزرگوں کے نزدیک وہ چیز غلطی نہ ہو۔ جسے آج کوئی شخص غلطی کہہ رہا ہے؟ اموِرِ غیبیہ اور حقائق غامضہ خفیہ اور مسائلِ دقیقہ کے بارے میں تو پھلواروی صاحب کی یہ بات کسی حد تک تسلیم کی جاسکتی ہے کہ۔ ان میں سے کوئی غیبی حقیقت یا بہت باریک و دقیق، پوشیدہ بات گذشتہ بزرگوں پر منکشف نہ ہوئی ہو اور بعد میں بذریعہ الہام یا غور و خوض کرنے سے کسی پر اس کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن جو بات ابتدائی طالبِ علم اور معمولی عربی دان بھی جانتا ہو۔ وہ گذشتہ علماءِ راسخین اور بزرگانِ دین پر مخفی رہے۔ اور مدتوں بعد کسی پر اس کا انکشاف ہو۔ قابلِ فہم نہیں۔ پھلواروی صاحب جن کے سامنے درودِ تاج رہا اور وہ اب تک اسے آسمانی اور الہامی چیز سمجھتے رہے کیا وہ اپنی عمر کے اس طویل زمانے میں ایک معمولی عربی دان اور مبتدی طالب علم کی استعداد بھی نہ رکھتے تھے کہ درودِ تاج کی بھونڈی بھونڈی غلطیاں بھی انہیں نظر نہیں آئیں۔ اور اب اچانک ان کے پاس نہ معلوم کہاں سے ایسا علم آ گیا کہ درودِ تاج کی غلطیاں ان پر منکشف ہو گئیں۔ جس کی وجہ سے انہیں اپنے قدیم خیال پر جمے رہنے کا کوئی جواز نظر نہ آیا۔

ناظرین غور فرمائیں کہ پھلواروی صاحب کی یہ بات کہاں تک قابلِ فہم ہے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس سارے کلام میں محض سخن سازی سے کام لیا ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

۲۰ بیسواں اعتراض اور اس کا جواب

غلط انتساب

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "غلط انتساب کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ کسی چیز کو مقبول بنانے کے لئے کسی مقبول شخصیت کی طرف منسوب کر دینے کا رواج کوئی نیا نہیں بہت قدیم ہے۔ روحانی اشارات، کشف اور خواب وغیرہ اس مقصد کے لئے گھڑ لئے جاتے ہیں۔ مؤثر قصے بھی تصنیف کر لئے جاتے ہیں" انتہیٰ کلامہ۔

پھلواروی صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے گذارش ہے کہ صلحاء امت کے وظائف اور درودِ تاج آپ کے نزدیک مشرکانہ اور غلط سلط ہیں سب کا مقصد آپ کے نزدیک یہی ہے کہ اہل توحید کو قرآن اور ادعیۂ ماثورہ سے ہٹایا جائے مگر اسی درودِ تاج کی مقبولیت کے ثبوت میں یہ قصہ آپ کے پدر بزرگوار، مرشدِ کامل اور مرکزِ عقیدت نے اپنی کتاب "صلوٰۃ وسلام" میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ اس قصے کو جھوٹا اور من گھڑت بتا رہے ہیں۔ لاکھ دفعہ آپ اسے جھوٹا اور من گھڑت کہیں مگر اتنی بات بتا دیجئے کہ مشرکانہ، غلط سلط اور قرآن و حدیث سے ہٹانے والے درودِ تاج کی مقبولیت کے ثبوت میں اس قصے کو لکھنے والا۔ مرشدِ کامل اور مرکزِ عقیدت ہو سکتا ہے؟۔ آپ کا صرف یہ کہہ دینا کہ میں انہیں معصوم عن الخطاء نہیں سمجھتا۔ کافی نہیں۔ آپ کو یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ ان کی یہ خطا کس نوعیت کی ہے؟ کیا مشرکانہ کلام کی تائید عقیدۂ توحید کے منافی نہیں؟ شرک کو آپ توحید کی نقیض نہیں مانتے؟ شرکیہ کلام کی فضیلت و مقبولیت ثابت کرنا بھی شرک ہے

دیا آپ نے اپنے مرکزِ عقیدت کو خطاءِ شرک سے محفوظ نہیں سمجھا۔ قرآن سے ہٹانے والے کلام کی مقبولیت و فضیلت کا اثبات قرآن سے بغاوت ہے جس کا مرتکب گویا آپ نے اپنے پدرِ بزرگوار، مرکزِ عقیدت اور مرشدِ کامل کو ٹھہرایا۔ آپ کے لئے اس الزام سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ نے جو خطاء اپنے مرکزِ عقیدت سے منسوب کی ہے۔ آپ اس سے رجوع فرمائیں۔ ورنہ اس خطاء کے وبال سے آپ کا محفوظ رہنا بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ اس عظیم خطادار سے عقیدت رکھنا بھی خطاءِ عظیم ہے۔

۲۱
اکیسواں اعتراض اور اس کا جواب

قواعدِ صرف و نحو قطعی نہیں

اس کے بعد پھلواردی صاحب فرماتے ہیں: ”عربی قواعد صرف و نحو ظنی نہیں یقینی ہیں۔ اگر ان قواعد کو ظنی مانا جائے تو قرآن و حدیث کی زبان ہی ظنی اور مشکوک ہو جاتی ہے۔“ انتہیٰ کلامُہ،

پھلواردی صاحب کی یہ بات انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ جن قواعد کو وہ یقینی کہہ رہے ہیں۔ اہلِ فن کے شدید اختلافات ان میں پائے جاتے ہیں۔ نحو کی کوئی چھوٹی بڑی کتاب ایسی نہیں جس میں یہ اختلافات مذکور نہ ہوں۔ آئمۂ فن کے اقوالِ مختلفہ بالخصوص ان مسائل میں بصریین اور کوفیین کے اختلافاتِ کثیرہ سے فن کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علامہ ابنِ خلدون نے بھی وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے فنِ نحو پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابنِ خلدون نے اس فن کے علماء بالخصوص بصریین۔ کوفیین کے نحوی اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ثُمَّ طَالَ الْکَلَامُ

فِی هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ وَحَدَثَ الْخِلَافُ بَیْنَ اَهْلِهِمَا فِی الْکُوْفَةِ وَالْبَصْرَةِ الْمِصْرَیْنِ الْقَدِیْمَیْنِ لِلْعَرَبِ ۔ (پھر اس فن میں ان کا کلام بہت طویل ہوگیا۔ کوفہ اور بصرہ کے ان علماء کے درمیان مسائل فن میں اختلافات پیدا ہوئے یہ دونوں شہر عرب کے قدیم شہروں میں سے ہیں) (مقدمہ ابن خلدون صد۵۴۵ طبع بیروت باب نمبر ۶ فصل ۳۷) کون نہیں جانتا کہ یقینی امور اختلاف کے شائبہ سے پاک ہوتے ہیں۔ دوٗ اور دوٗ کا چار ہونا یقینی ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ پھلواردی صاحب اگر ان اختلافات سے باخبر ہوتے تو قواعدِ صرف و نحو کو یقینی کہنے کی کبھی جسارت نہ فرماتے۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ "اگر ان قواعد کو ظنّی مانا جائے تو قرآن و حدیث کی زبان ہی ظنّی اور مشکوک ہوجاتی ہے"، پھلواروی صاحب کی لاعلمی پر مبنی ہے قرآن کی زبان عین قرآن ہے جس کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشاد ہوا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (پ۱۴ الحجر آیت نمبر۹ ع نمبر۱)

"ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔ قرآن کا ایک ایک حرف اور ایک ایک حرکت و سکون قطعی اور یقینی ہے۔ ساتوں متواتر قراءتیں یقینی اور قطعی ہیں محض تعدد کی وجہ سے انہیں مختلفہ کہا جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں کو آیاتِ مختلفہ و سُوَرِ مختلفہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ان کے صحیح اور یقینی ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ جس کی دلیل ان کا تواتر ہے۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ تواتر مفیدِ یقین ہوتا ہے۔

ثابت ہوا کہ قرآن کی زبان کا یقینی ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اس کے یقینی ہونے کو صرف و نحو کے ایسے قواعد پر مبنی کہنا جو اختلافِ کثیر کی وجہ سے خود ظنّی ہیں۔ قرآن اور اس کی زبان کو ظنّی قرار دینے کے مترادف ہے۔ پھلواروی صاحب

کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن و حدیث قواعد کے تابع نہیں. بلکہ صرف و نحو کے قواعد قرآن و حدیث کے تابع ہیں. متبوع اصل ہوتا ہے اور تابع اس کی فرع. فرع کا وجود ہمیشہ اصل کے بعد ہوتا ہے. قرآن و حدیث کی زبان پہلے سے موجود تھی. صرف و نحو کے قواعد نزولِ قرآن کے مدتوں بعد وضع کیٔے گئے.

علامہ ابنِ خلدون کہتے ہیں کہ جب اسلام آگیا اور مسلمانان عرب فتوحات کے لئے عجم کی طرف بڑھے - اور ان کے اختلاط کے باعث یہ خطرہ انہیں لاحق ہوا کہ عرب کا فطری لسانی ملکہ عجم سے متاثر ہو کر ختم ہو جائے گا. بلکہ قرآن کے سمجھنے میں بھی سخت دشواری پیش آئے گی. اس وقت اہلِ علم نے کلامِ عرب کو سامنے رکھ کر نحو کے ابتدائی قواعد وضع کیٔے. مثلاً ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے. اور مفعول منصوب. علمِ نحو میں سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشورہ سے ان کی خلافت کے اواخر میں ابوالاسود الدُؤلی نے قلم اٹھایا. (ملحضًا) (مقدمہ ابنِ خلدون عربی صہ ۵۴۶ طبع بیروت - باب نمبر ۶ فصل نمبر ۳۷) خلاصہ یہ کہ اُس علمِ نحو کے ابتدائی قواعد کی تدوین کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تقریبًا تیس ۳۰/ پینتیس ۳۵/ سال بعد عمل میں آیا جس پر پھلواروی صاحب قرآن و حدیث کی زبان کے یقینی ہونے کا انحصار فرما رہے ہیں.

ناظرین! غور فرمائیں کہ پھلواروی صاحب کی یہ بات کس قدر غلط، بے بُنیاد اور مضحکہ خیز ہے.

بائیسواں اعتراض اور اس کا جواب

درودِ تاج ہر طرح کی غلطی سے مبرّا ہے

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: " درودِ تاج اگر الہامی بھی ثابت کر دیا جائے تو اس کی لسانی غلطی، غلطی ہی رہے گی اور لغوی غلطی کی طرح اعتقادی غلطی بھی غلطی کہی جائے گی۔ محض عوامی مقبولیت کسی چیز کی صحت کی ضمانت نہیں "۔ انتہیٰ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مضبوط دلائل کی روشنی میں ہم نے واضح کر دیا کہ درودِ تاج میں کوئی لسانی غلطی نہیں۔ رہی اعتقادی غلطی تو درودِ تاج اس سے بھی پاک ہے۔ دراصل پھلواروی صاحب کے دل میں " دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ " کے الفاظ کانٹے کی طرح چُبھ رہے ہیں جنہیں اب تک وہ الہامی سمجھتے رہے۔ مگر بقول ان کے " من بعد ما جاءنی من العلم " اچانک وہ انہیں مشرکانہ سمجھنے لگے۔ مگر یہ بھی علم کی بجائے ان کی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دافعِ حقیقی نہیں سمجھتا۔ دافعِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محض وسیلہ اور واسطہ ہونے کی حیثیت سے دافعِ مجازی ہیں۔ بایں طور کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دفعِ عذاب کا سبب ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ " (پ۹ الانفال) یعنی آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو عذاب نہیں دے گا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دفعِ عذاب کا وسیلہ ہیں۔ نیز فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (پ۹ الانفال) اللہ تعالیٰ لوگوں کے استغفار کی وجہ سے بھی

انہیں عذاب نہیں دے گا۔

استغفار بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے ملا۔ اس لئے جب تک مؤمنین کا استغفار ہے حضور کا وسیلہ برقرار ہے ـــ مدینہ دارالہجرۃ بننے سے پہلے یَثْرِبْ کہلاتا تھا ـــ یثرب کا ماخذ ثَرْبٌ ہے یا تَثْرِیْبٌ۔ ثرب کے معنے ہیں فساد۔ وہاں کی ہر چیز فاسد تھی۔ جو وہاں آتا۔ زہریلے بخار اور شدید امراض میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ اگر اتفاقاً کوئی وہاں پہنچ جاتا۔ تو لوگ اسے ملامت کرتے کہ تو یہاں بیماریوں اور زہریلے بخاروں میں مبتلا ہونے آیا ہے۔ صحابۂ کرام جب وہاں ہجرت کر کے پہنچے۔ انہیں شدید ترین بخار لاحق ہوا۔ وہ بیماری کی حالت میں مکّے کو یاد کر کے روتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور حضور نے صحابۂ کرام کا یہ حال دیکھا تو حضور نے دُعا فرمائی۔ اور حضور کے مبارک قدموں کی برکت سے مدینہ کی بیماریاں دور ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "غُبَارُ الْمَدِیْنَۃِ شِفَاءٌ مِّنَ الْجُذَامِ" مدینے کا غبار جذام سے شفاء ہے۔ (الوفاء لابن الجوزی جلد نمبر ۱ ص ۲۵۳۔ وفاء الوفاء جلد ۱ صـ ۶۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل مدینے کی مٹی جذام کے لئے شفاء ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل، بلاء، وباء، قحط، مرض اور اَلَمْ کے دفع ہونے کی صداقت پر مندرجہ ذیل احادیث شاہد عدل ہیں۔

(۱) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے تشریف لائے۔ حضرتِ ابوبکر اور حضرتِ بلال دونوں کو سخت بخار ہو گیا۔ امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی۔ میں نے حضور کو بتایا۔ حضور نے دعا فرمائی "اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ

اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ حُبًّا وَصَحِّحْهَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَۃِ ۔" یا اللہ مکے کی طرح مدینے کو ہمارا محبوب بنا دے۔ بلکہ مکے سے زیادہ۔ اور مدینے کی آب و ہوا ہمارے لئے درست فرما دے۔ اور اس کے صاع اور مُد یعنی غلہ اور پھلوں میں ہمارے لئے برکت فرما۔ اور مدینے کی بیماریاں (یہود کی بستی) جُحفہ کی طرف منتقل کر دے۔ (بخاری جلد ۱ صہ ۵۵۹)

(۲) حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا میں نے ایک سیاہ فام پراگندہ سر عورت کو خواب میں دیکھا جو مدینے سے نکل کر جُحفہ میں پہنچ گئی۔ " فَاَوَّلْتُ اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِیْنَۃِ نُقِلَ اِلَیْهَا " میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ مدینے کی وباء جُحفہ کی طرف چلی گئی۔ (بخاری جلد ۲ صہ ۱۰۴۲)

(۳) یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں: میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پنڈلی میں تلوار کی ضرب کا نشان دیکھا۔ اس نشان کے متعلق میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تلوار کی اس ضرب کا نشان ہے۔ جو مجھے خیبر میں لگی تھی۔ یہ ایسی ضرب تھی کہ لوگ کہنے لگے بس سلمہ اب شہید ہوئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس میں تین مرتبہ پھونکا۔ اس وقت سے اب تک مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔

(بخاری جلد ۲، صہ ۶۰۵۔ مشکوٰۃ صہ ۵۳۲)

(۴) حضرتِ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ، ابو رافع یہودی کو قتل کر کے زینے سے نیچے اتر رہے تھے۔ کہ اچانک گرے اور انکی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ وہ فرماتے ہیں!

میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ دیا۔ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا "اُبْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا فَكَأَنَّمَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ" اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلادیا۔ حضور علیہ السلام نے میری پنڈلی پر مبارک ہاتھ پھیر دیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی تکلیف کبھی پہنچی ہی نہ تھی۔ (بخاری جلد ۲ صہ ۵۷۷)

⑤ مسلم شریف میں ایک طویل حدیث وارد ہے۔ جس کے آخری حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عطاء حضرتِ اسماء کے پاس حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جُبّہ نکالا اور فرمایا: "كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى لِنَسْتَشْفِيَ بِهَا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پہنتے تھے اور ہم اس جُبّہ کو پانی سے دھو لیتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے اپنے بیماروں کے لئے شفا حاصل کریں۔ (مسلم شریف جلد ۲ صہ ۱۹۰)

⑥ صحیحین و دیگر کتبِ احادیث میں باسانیدِ کثیرہ یہ مضمون وارد ہے کہ عہدِ رسالت میں مدینے میں قحط پڑا۔ خطبۂ جمعہ کے موقع پر حضور سے بارانِ رحمت کی دعا کے لئے عرض کیا گیا۔ حضور نے دعا فرمائی اور فوراً ہی بارانِ رحمت شروع ہو گئی اور اس کثرت سے بارش ہوئی کہ اگلے جمعہ کے موقع پر حضور سے عرض کیا گیا کہ اب تو بارش کی وجہ سے لوگوں کے مکان گرنے لگے۔ آپ دعا فرمائیں کہ بارش رک جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے۔ اور آسمان کی طرف اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھا کر چاروں طرف اشارہ فرمایا اور دعا فرمائی "اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا" حضور کے اشارے کے ساتھ بادل پھٹتا گیا۔ اور صاف آسمان گول دائرے کی طرح نظر آنے

نگاہ مدینہ میں بارش رک گئی۔ آس پاس جاری رہی (بخاری جلد نمبر ا
ص نمبر ۱۳۸، ۱۴۱، ۵۰۶) قحط دفع ہوا۔ اور خشک سالی خوشحالی میں بدل گئی

(۷) سلیمان بن عمرو بن احوص ازدی اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رمیِ جمار کرتے دیکھا۔ رمیِ جمار فرما کر حضور آگے بڑھے۔ ایک عورت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی حضور! میرا بیٹا فاتر العقل ہے۔ حضور! اس کے لئے دعا فرمائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا۔ پانی لے آ۔ وہ ایک پتھر کے برتن میں حضور کے پاس پانی لے آئی۔ حضور علیہ السلام نے اس میں لعابِ دہن ڈالا اور اپنا چہرۂ انور اس میں دھویا۔ پھر اس میں دعا فرمائی پھر فرمایا یہ پانی لے جا۔ "فَاغْسِلِيْهِ بِهٖ وَاسْتَشْفِي اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ" اس پانی سے اسے غسل دے اور اللہ سے شفاء طلب کر۔ اس حدیث کی روایت کرنے والی صحابیہ سلیمان بن عمرو بن احوص کی والدہ نے اس عورت سے کہا میرے اس بیمار بچے کے لئے اس میں سے تھوڑا سا پانی مجھے بھی دے دے۔ وہ فرماتی ہیں۔ میں نے اپنی انگلیوں سے تھوڑا سا پانی لے کر اپنے بیمار بیٹے کے بدن پر مَل دیا۔ چنانچہ وہ اعلیٰ درجہ کا تندرست ہو گیا۔ فرماتی ہیں۔ اس کے بعد میں نے اس عورت سے پوچھا کہ اس کے بیٹے کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا! وہ بہترین صحت کے ساتھ صحتیاب ہو گیا۔ (مسندِ احمد جلد ۶ صہ ۳۷۹ طبع بیروت)

ناظرین کرام نے آیتِ قرآنیہ اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلاء و وباء، قحط و مرض اور اَلَم کے دفع ہونے کا سبب بنایا۔ دافعِ حقیقی محض اللہ تعالیٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کمالِ عبدیت کے باعث عونِ الٰہی کا مظہر اتم واکمل ہیں۔ اسی اعتبار سے درودِ تاج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ" کہا گیا۔ جس میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ کمالِ عبدیت کا وہ بلند مقام ہے جس کی تفصیل کتاب وسنت کے مطابق نادِ علی کی بحث میں آرہی ہے۔

عوامی مقبولیت

پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ "محض عوامی مقبولیت کسی چیز کی صحت کی ضمانت نہیں" اھ اس مقام پر قطعاً نامناسب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درودِ تاج محض عوام میں مقبول نہیں بلکہ خواص میں بھی مقبول ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ پھلواروی صاحب کے مرکزِ عقیدت نے اس کی مقبولیت ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب "صلوٰۃ وسلام" میں وہ واقعہ لکھا۔ جسے پھلواروی صاحب من گھڑت اور ظنی کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ ان کے لکھنے کا انکار نہ کر سکے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ پھلواروی صاحب کے والدِ بزرگوار جو طبقۂ خواص سے ہیں۔ درودِ تاج ان کے نزدیک مقبول ہے۔ اور وہ اس کی مقبولیت کے قائل ہیں۔ اس کے باوجود پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ "محض عوامی مقبولیت کسی چیز کی صحت کی ضمانت نہیں" گویا اپنے پیرو مرشد اور مرکزِ عقیدت کو خواص سے خارج کر کے عوام میں شامل کر دینا ہے۔ جو کسی "خلفِ رشید" مریدِ صادق اور بے حد عقیدت رکھنے والے کے شایانِ شان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ اپنے مرشد کی عظمت کو بُری طرح مجروح کرنے کے مترادف ہے۔

تیئسواں اعتراض اور اس کا جواب

"یااللہ" کی ترکیب صحیح ہے

پھلواروی صاحب نے درودِ تاج کے علاوہ صلحاء امت اور بزرگانِ دین کے دیگر معمولات اور وظائف پر بھی ایسے ہی لایعنی اور لچر اعتراض کئے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "یا" عربی لفظ ہے اور اللہ بھی عربی لفظ ہے لیکن "یا اللہ" کوئی عربی لفظ نہیں۔ یہ نہ قرآن میں نہ حدیث میں اور نہ عربی لٹریچر میں۔ جب اے اللہ کہنا مقصود ہو تو اللہ پر نداء کا یا نہیں لاتے بلکہ ایسے موقع پر اَللّٰھُمَّ کہتے ہیں۔ پس جب وظیفے میں آپ "یااللہ" لکھا ہوا دیکھیں بس سمجھ لیں کہ یہ کسی ایسے عجمی عربی دان کا لکھا ہوا ہے جو عربی زبان کی باریکیوں اور نزاکتوں کا زیادہ فہم نہیں رکھتا۔ اب اس پر خواب، کشف اور برکات و تاثیرات کے کتنے ہی حاشیے چڑھائے جائیں غلطی، غلطی ہی رہے گی۔ درستی نہیں ہو جائے گی"۔

انتہٰی

فیوض اولیاء سے تنفیر کی سازش:

اس کے بعد پھلواروی صاحب نے کشف و کرامات اور روحانی فیوض و برکات کا مذاق اڑانے کے لئے واقعہ کے نام سے ایک مضحکہ خیز قصہ لکھ دیا۔ اندازِ تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی اصلیت قلبی عناد ظاہر کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ آگرے میں سیدنا ابو العلیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مزار مبارک، مرجعِ خواص و عوام اور ایسی مشہور و معروف زیارت گاہ ہے کہ جس کے متعلق عقلِ سلیم تسلیم ہی

نہیں کرتی کہ ان کے مزار پر حاضری کے قصد سے جانے والا ملا شوستری کی قبر پر جا کھڑا ہو۔ یہ سارا قصہ محض اس لئے تصنیف کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے، بزرگانِ دین کی مزارات پر حاضری اور فیوض و برکات کے حصول کو محض ایک اضحوکہ سمجھ کر اس سے متنفر ہو جائیں۔ بقول پھلواروی صاحب اگر اِن امور کی حمایت اور موافقت میں کشف والہام اور خواب گھڑے جا سکتے ہیں تو میں عرض کروں گا۔ کہ کیا ان امور کی مخالفت میں اس نوعیت کے قصوں سے حاشیہ آرائی نہیں کی جا سکتی؟

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں کہ "لفظ "یا" اور لفظ "اللہ" دونوں عربی ہیں۔ مگر یا اللہ کوئی عربی لفظ نہیں" کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ اگر قرآن و حدیث میں "یَااَللّٰہُ" کا لفظ وارد نہیں ہوا۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عربی زبان ہی سے خارج ہو جائے۔ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ کسی لفظ کا قرآن وحدیث میں وارد نہ ہونا اس کے غلط یا غیر عربی ہونے کو متلزم نہیں۔ اور یہ بات بالکل بدیہی ہے۔ پھلواروی صاحب "یا اَللہ" کو غلط قرار دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ عربی لٹریچر میں بھی کہیں اس کا وجود نہیں۔ ان شاء اللہ ہم عنقریب ثابت کریں گے کہ "یَااَللّٰہُ" کی ترکیب خالص عربی ہے اور یہ خالص عربی زبان کا کلمہ ہے عرب کے لوگ "یَااَللّٰہُ" کہتے تھے۔ دیکھئے تفسیر بیضاوی میں ہے۔ "وَاللّٰہُ اَصْلُہٗ اِلٰہٌ فَحُذِفَتِ الْھَمْزَۃُ وَعُوِّضَ عَنْھَا الْاَلِفُ وَاللَّامُ وَلِذٰلِکَ قِیْلَ یَااَللّٰہُ بِالْقَطْعِ" یعنی لفظِ اللہ کی اصل اِلٰہ ہے اِلٰہ کا ہمزہ حذف کر کے الف لام اس کے عوض میں لایا گیا۔ اسی لئے "یَااَللّٰہُ" بالقطع کہا گیا۔ (تفسیر بیضاوی علیٰ ھامش شیخ زادہ جلد ۱ صہ ۲۱، ۲۲ طبع ترکی) یعنی اس ہمزہ کو ہمزۂ وصلی کی طرح ساقط نہیں کیا گیا بلکہ ہمزۂ قطعی قرار دے کر اس کے تلفظ کو برقرار رکھا گیا۔

بیضاوی کے بعد کافیہ کی عبارت بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں۔ قَالُوْا یَا اَللّٰہُ خَاصَّۃً" (کافیہ بحث توابع المنادی) ملا جامی نے اس کی شرح میں فرمایا ہے: لفظ اللہ اصل میں اِلٰہٌ تھا۔ اِلٰہٌ کا ہمزہ حذف کر کے الف لام اس کے عوض میں لایا گیا۔ جو اس کے لئے لازم ہے اور یَا اَللّٰہُ کہا گیا لفظ اللہ کے سوا کوئی ایسا کلمہ نہیں جس کے الف لام میں عوض اور لزوم دونوں باتیں پائی جائیں۔ کسی جگہ عوض ہے تو لزوم نہیں جیسے اَلنَّاسُ۔ اور کہیں لزوم ہے تو عوض نہیں جیسے اَلنَّجْمُ۔ یہ خاصہ لفظ اللہ کا ہے۔ کہ اس کا الف لام عوض میں بھی ہے اور وہ اس کے لئے لازم بھی ہے۔ اسی لئے خصوصیت کے ساتھ بالقطع "یَا اَللّٰہُ" کہا جاتا ہے (شرح جامی ص ۱۱۰-۱۱۱ طبع پشاور)

پھلواروی صاحب عربی زبان میں یَا اَللّٰہُ کا لفظ پائے جانے کے منکر ہیں حالانکہ اہل عرب جب اَللّٰھُمَّ کی میم کو ساقط کر دیتے تھے تو کہتے تھے یَا اَللّٰہُ اِغْفِرْ لِیْ (لسان العرب جلد ۱۳ ص ۴۷۰ طبع بیروت) بلکہ یَلِلّٰہُ بھی بعض اہل عرب سے ثابت ہے۔ (جو شاذ ہے) لسان العرب میں ہے: قَالَ الْکِسَائِیُّ اَلْعَرَبُ تَقُوْلُ یَا اَللّٰہُ اغْفِرْ لِیْ وَیَلِلّٰہُ اغْفِرْ لِیْ (لسان العرب جلد ۱۳ ص ۴۷۰ طبع بیروت)

آخر میں امام النحاۃ ابو بشر عمرو بن عثمان سیبویہ کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ لَکَ اَنْ تُنَادِیَ اسْمًا فِیْہِ الْاَلِفُ وَاللَّامُ اَلْبَتَّۃَ اِلَّا اَنَّھُمْ قَدْ قَالُوْا یَا اَللّٰہُ اغْفِرْ لَنَا وَذٰلِکَ مِنْ قِبَلِ اَنَّہٗ اسْمٌ یَلْزَمُہُ الْاَلِفُ وَاللَّامُ لَا یُفَارِقَانِہٖ وَکَثُرَ فِیْ کَلَامِھِمْ" یعنی جان لو کہ جس اسم پر الف لام ہو (بلا فصل) اسے نداء کرنا قطعاً جائز نہیں بجز اس کے کہ اہل عرب نے "یَا اَللّٰہُ اغْفِرْ لَنَا" کہا ہے (اے اللہ ہمیں بخش دے)۔ یہ صرف اس لئے کہ لفظ اللہ ایسا اسم ہے۔ جس کے لئے

الف لام لازم ہے۔ کبھی اس سے جُدا نہیں ہوتا۔ اور یہ استعمال ان کے کلام میں بہت کثیر ہے۔ (کتاب سیبویہ جلد ۲ صد ۱۹۵ طبع بیروت)

ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ " یَااَللّٰہُ " عربی لفظ ہے اور یہ صحیح ہے اسے غلط کہنا قطعًا غلط ہے۔ اہلِ عرب اَللّٰھُمَّ کے علاوہ یَااَللّٰہُ بھی کہتے تھے۔ ان کا مقولہ " یَااَللّٰہُ اغْفِرْ لَنَا " اس کا شاہد ہے۔ اور استعمال ان کے کلام میں کثیر ہے

پھلواروی صاحب کی علمی بے مائیگی پر افسوس ہوتا ہے۔ "کتابِ سیبویہ" تو درکنار وہ فنون کی متداول کتابوں سے بھی واقف نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی تفسیر بیضاوی دیکھی نہ کافیہ نہ شرح جامی نہ لسان العرب کا دیکھنا انہیں نصیب ہوا۔ فواحسرتاہ۔

۲۴
چوبیسواں اعتراض اور اس کا جواب

معرف باللام پر دخول حرف نداء

پھلواروی صاحب کہتے ہیں: " اگر لفظ معرف باللام ہو تو یَااَیُّھَا آئے گا " جیسے " یَااَیُّھَا النَّبِیُّ "۔ (اس کے بعد فرماتے ہیں) " صرف اللہ ایک ایسا لفظ ہے۔ جس پر نہ یَا آتا ہے نہ اَیُّھَا اور نہ یَااَیُّھَا آتا ہے۔ اللہ جب منادیٰ ہو تو اس کے آخر میں مَّ آجاتا ہے۔ یعنی اَللّٰھُمَّ ہو جاتا ہے "

(صد ۱۸)

پھلواروی صاحب نے اس عبارت میں اپنی علمی بے مائیگی اور ناسمجھی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس اسم پر الف لام ہو جیسے اَلرَّجُلُ،

النَّبِیُّ وغیرہ۔ اس کو نداء کرنے کے لئے اَیُّھَا کا فاصلہ لانا پڑے گا جیسے
یَاَیُّھَا الرَّجُلُ ۔ یَاَیُّھَا النَّبِیُّ ۔ (شرح جامی وغیرہ کتبِ نحو) بجز لفظِ اللہ
کے کہ اس کی نداء میں اَیُّھَا کے بغیر یَااَللہُ کہا جائے گا۔ یا اس کے آخر میں
میم مشددہ مفتوحہ شامل کر کے اَللّٰھُمَّ کہہ کر نداء کی جائے گی۔ یہ دو لفظ
جائز ہیں۔ اہلِ عرب کے کلام میں مستعمل ہیں جس کا تفصیلی بیان دلائل کے
ساتھ ہم ابھی ہدیہ ناظرین کر چکے ہیں۔

نادِ علیًّا

ایک بے بنیاد قصے کی تردید

پھلواروی صاحب نے اس عنوان کے تحت صالحینِ امت بالخصوص
سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم کے خلاف دلی نفرت اور بغض و
عناد کا اظہار جس انداز سے کیا ہے۔ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کے پس منظر میں جو
بے بنیاد قصہ روافض سے انہوں نے نقل کیا ہے۔ ہم پر حجت نہیں۔ کسی نے
اس بے بنیاد واقعہ کو غزوۂ خیبر سے متلق کیا اور کسی نے غزوۂ تبوک سے،
ہمارے نزدیک سرے سے یہ قصہ ہی من گھڑت ہے۔ لہٰذا اس کی بنیاد پر پھلواروی صاحب
کا طعن و تشنیع۔ بے محل، لایعنی اور لغو ہے۔ ہم اس وظیفہ کے متعلق اتنا
جانتے ہیں کہ یہ بعض صالحین کے اوراد میں شامل ہے اور بس۔

نادِ علی شعر نہیں

ہمارے خیال میں یہ وظیفہ نظم نہیں بلکہ نثر ہے۔ اسے شعر کہنا
درست نہیں شعر اس کلام موزون، مقفّٰی کو کہتے ہیں۔ جو بالقصدِ شعر کہا جائے

اگر کوئی کلام یا اس کا کوئی حصہ بلا قصد اتفاقاً موزوں ہو جائے۔ تو اسے شعر نہیں کہا جاتا۔ آیۃ قرآنیہ کا ایک حصہ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ۔ (پ البقرہ آیت نمبر ۸۵) موزون ہے۔ مگر وہ کلامِ الٰہی ہے۔ قصدِ وزن اور شعریت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۲۵ پچیسواں اعتراض اور اس کا جواب

پھلواری صاحب نے اس وظیفہ کو شعر سمجھا اور اس بنیاد پر وزن اور قافیہ کا اعتراض اس پر جڑ دیا۔ جو بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَی الْفَاسِدِ کا مصداق ہے۔ جب وہ مانتے ہیں کہ اس میں نہ قافیہ کی رعایت ہے نہ وزن کی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کس بنیاد پر وہ اسے شعر سمجھ رہے ہیں؟

۲۶ چھبیسواں، ۲۷ ستائیسواں، ۲۸ اٹھائیسواں اعتراض اور ان کا جواب

چند بے محل اعتراضات کا اجمالی جواب

حضور[۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے آپ کو مخاطب کرنا۔ اور فتح خیبر[۲] کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا کافی نہ ہونا۔ اور حضور[۳] صلی اللہ علیہ وسلم کا مدد کے لئے حضرتِ علی کو پکارنا پھلواروی صاحب کے ایسے اعتراضات ہیں۔ جن کی بنیاد وہی من گھڑت قصہ ہے جس کی ہم ابھی تکذیب کر چکے ہیں

۲۹
انتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

نام اقدس لے کر خطاب کرنا

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "پھر دیکھئے کہ کس بدتمیزی سے حضور کو نام لے کر مخاطب کیا جا رہا ہے۔ سارے قرآن میں کہیں حضور کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا گیا ہے کسی صحیح حدیث قدسی میں نام لے کر مخاطب نہیں کیا گیا ہے" اھ

یَا مُحَمَّدُ کے الفاظ کو بدتمیزی کہنا بجائے خود بدتمیزی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس "یَا مُحَمَّدُ اِنِّی قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ" کے الفاظ ایک صحابی کو تلقین فرمائے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ قزوینی نے اپنی سنن میں روایت کیا اور کہا قَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ" یعنی ابواسحٰق نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

(ابن ماجہ ص ۱۰۰ طبع اصح المطابع کراچی۔ جلد ۱ ص ۴۴۱ ج ۱ ص ۴۲۷ طبع بیروت)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ آیت کریمہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ الآیۃ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نداء اور خطاب کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ درحقیقت وہ ایسی نداء اور خطاب ہے۔ جس کا عادۃً لوگوں میں رواج ہے۔ جیسے عام طور پر کسی کو یَا زَیْدُ، یَا عَمْرُو کہہ کر پکار لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اس طرح میرے رسول کو نہ پکارو۔

مگر اوراد و وظائف میں یَا مُحَمَّدُ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو نداء کی جاتی ہے۔ وہ ہرگز اس نوعیت کی ندائے مروج و معتاد نہیں بلکہ یہاں تو تنہائی میں محض سرگوشی کے طور پر یَا مُحَمَّدُ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی روحانیتِ مقدسہ کو نداء کے ساتھ اپنی طرف اس لئے متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یَا مُحَمَّدُ کہنے والا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اپنے لئے تَوَجُّہ اِلَی اللہ کا وسیلہ بنائے۔

لہٰذا اس نداء کو نداءِ مروّج اور خطابِ متعادیہ قیاس کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ تاہم اہلِ علم ایسے مواقع پہ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے یا محمد کی بجائے یَا رَسُوْلَ اللہ پڑھتے ہیں۔

بہر نوع پھلواروی صاحب کا یَا مُحَمَّدُ کہنے کو بے دھڑک بدتمیزی کہہ دینا سخت بدتمیزی ہے اور حدیث پاک پر صراحۃً طعن کرنا ہے (العیاذ باللہ)

یَا مُحَمَّدُ کہنے کا ثبوت

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے یَا مُحَمَّدُ کہہ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب نہیں فرمایا لیکن یَا مُحَمَّدُ کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو خطاب فرمانا احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔

مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ حدیث میں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا " یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ "، اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنا سرِ اقدس اٹھائیے۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۴۸۸، صہ ۴۸۹ طبع رشیدیہ دہلی) اختصامِ ملائکہ کی مشہور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے لفظ یَا مُحَمَّدُ کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا خطاب وارد ہے۔ بروایتِ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس حدیث میں ہے: اللہ تعالےٰ نے فرمایا یَا مُحَمَّدُ۔ سرکار فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: لَبَّیْکَ رَبِّ۔ اے میرے رب میں حاضر ہوں۔

(مشکوٰۃ صہ ۷۲)

۳۰ تیسواں اعتراض اور اس کا جواب

نادِ علی کو مشرکانہ وظیفہ کہنا

رہا یہ امر کہ اس وظیفہ میں شرکیہ الفاظ ہیں تو یہ پھلواروی صاحب کی ناسمجھی ہے۔ حضرتِ علی کا مدد کرنا اذنِ الٰہی اور مشیّتِ ایزدی۔ کے تحت ہے بالاستقلال نہیں۔ اور مدد اور عون کی اسناد حضرت علی کی طرف حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے۔ جس کا مفاد حضرتِ علی سے توسّل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس وظیفے کے الفاظ سے حضرتِ علی کے مستعان حقیقی ہونے کا مفہوم پھلواروی صاحب کی اپنی فہم ہے جو درست نہیں آیتِ کریمہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے تحت ہم نے اپنے تفسیری حواشی میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت کردی ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں

۳۱ اکتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

مرتب نادِ علی کو بدبخت شاعر کہنا

اس وظیفے کے مؤلف کو بدبخت شاعر کے الفاظ سے تعبیر کرنا۔ اور اس کے حق میں یہ کہنا کہ " بدبخت شاعر کو حضور کی طرف شرک منسوب کرتے بھی شرم نہ آئی۔" پھلواروی صاحب کے بے محل غیظ و غضب کے اظہار کے سوا کچھ نہیں

ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ یہ وظیفہ شعر نہیں۔ لہٰذا اس کی بنیاد پر اس کے مؤلف کو شاعر کہنا غلط ہے نہ اس نے اس وظیفہ کا کوئی کلمہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنے والا وہ بدبخت ہے جس نے یہ جھوٹا قصہ گھڑا۔

پھلواروی صاحب کی تمام تر طعن وتشنیع کی بنیاد صرف وہی جھوٹا قصہ ہے۔ جو کسی رافضی کے حوالے سے انہوں نے نقل کیا۔ جس کا کوئی تعلق نہ وظیفے سے ہے نہ اس کے مؤلف سے۔

۳۲
بتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

حسنین کریمین صحابی ہیں

پھلواروی صاحب ملا باقر مجلسی کا ایک بیان نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں "اس روایت سے واضح طور پر دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جنابِ حسن وفاتِ نبوی کے وقت چار سال کے لگ بھگ تھے۔ اور جنابِ حسین ان سے بھی کوئی سال بھر چھوٹے تھے۔ دوسرے یہ کہ سیدنا علی کا شریک غزوۂ خیبر ہونا صحیح نہیں"۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

میں عرض کروں گا کہ ملا باقر مجلسی کا بیان یا اس کی منقولہ روایت ہمارے نزدیک پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ یہاں اس کا نقل کرنا ہی بے سود اور بے محل ہے۔ ہمارے علمائے محققین نے لکھا ہے۔ کہ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت نصفِ رمضان ۳ھ میں ہوئی۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "قَالَ خَلِيفَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ وُلِدَ لِلنِّصْفِ مِنْ رَمَضَانَ سَنَةَ (۳)"، یعنی خلیفہ اور ان کے علاوہ کئی علماء نے کہا کہ حضرت حسن نصفِ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے ابن حجر اسی مقام پر

فرما چکے ہیں رَوٰی عَنْ جَدِّہٖ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی حضرتِ حسن نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی (تہذیب التہذیب جلد۲، صہ۲۹۵، ۲۹۶۔ بیروت) امام ابن جوزی نے تقریبًا دس احادیث کے رواۃ میں ان کا نام لکھا (تلقیح فہوم الاثر صہ۱۸۷ الطبع دہلی) اور حضرتِ حسین بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے تہذیب التہذیب میں فرمایا: "قَالَ الزُّبَیْرُ بْنُ بَکَّارٍ وُلِدَ لِخَمْسِ لَیَالٍ خَلَوْنَ مِنْ شَعْبَانَ سَنَۃَ اَرْبَعٍ" یعنی زبیر بن بکار نے کہا کہ حضرت حسین چھ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے (تہذیب التہذیب جلد۲ صہ۳۴۵ طبع بیروت) اور امام ابن جوزی نے انہیں تقریبًا سات احادیث کے رواۃ میں شمار کیا۔ (تلقیح صہ۱۸۸)

ثابت ہوا کہ پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ "جناب حسن وفاتِ نبوی کے وقت چار سال کے لگ بھگ تھے۔ اور حضرتِ حسین ان سے بھی کوئی سال بھر چھوٹے تھے۔" قطعًا غلط اور دروغِ بے فروغ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وفاتِ نبوی کے وقت حضرتِ حسن کی عمر شریف تقریبًا ساڑھے سات سال اور حضرتِ حسین کی عمر مبارک تقریبًا ساڑھے چھ سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان کا احادیث روایت کرنا بھی اسی کا مؤید ہے۔

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرما لیا۔ کہ پھلواروی صاحب نے کس دلیری کے ساتھ حق کو چھپایا۔ اور حسنین کریمین کی عظمت و فضیلت گھٹانے کی کیسی مذموم جسارت کی

حضرتِ علی اور غزوۂ خیبر

اسی طرح حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بھی ان کا یہ گھناؤنا نظریہ ناظرینِ کرام کے سامنے آگیا کہ "سیدنا علی کا شریکِ غزوۂ خیبر ہونا صحیح نہیں۔" العیاذ باللہ۔

آج تک دنیا کے کسی مؤرخ نے غزوۂ خیبر میں حضرتِ علی کی شرکت کی نفی نہیں کی۔ تمام کتبِ سیرت و تاریخ اور احادیثِ صحیحہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غزوۂ خیبر میں شریک ہونا۔ بلکہ فاتح خیبر ہونا منقول اور مروی ہے۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث ہے۔ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِي خَيْبَرَ وَكَانَ بِهٖ رَمَدٌ فَقَالَ اَنَا اَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِيْ فَتَحَهَا اللّٰهُ فِيْ صَبَاحِهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ اَوْ لَيَاْخُذَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَوْ قَالَ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوْهُ فَقَالُوْا هٰذَا عَلِيٌّ فَاَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرتِ سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرتِ علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ گئے۔ انہیں آشوبِ چشم کی تکلیف تھی حضرتِ علی نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ جاؤں؟ چنانچہ حضرتِ علی

مدینہ سے چل کر خیبر پہنچے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ جب اس رات کی شام ہوئی۔ جس کی صبح کو اللہ تعالےٰ نے فتح عطا فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کل یہ جھنڈا میں اسے دوں گا۔ یا مجھ سے یہ جھنڈا وہ لے گا۔ جو اللہ اور رسول کا محبوب ہے۔ یا (فرمایا) اللہ اور رسول اس کے محبوب ہیں۔ یہ جنگ اللہ تعالےٰ اسی پر فتح فرما دے گا۔ اچانک ہم نے حضرت علی کو دیکھا اور ہمیں ان کی کوئی امید نہ تھی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور! یہ حضرت علی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جھنڈا حضرت علی کو عطا فرما دیا۔ اللہ تعالےٰ نے ان پر خیبر فتح فرمایا ۔ انتہیٰ۔

(صحیح بخاری جلد اول ص۵۲۵ صحیح مسلم جلد ثانی ص۲۷۹ طبع اصح المطابع کراچی)

شاید ناظرین کرام میں سے کسی کو یہ شبہ لاحق ہو کہ پھلواروی صاحب نے ملّا باقر مجلسی اور روافض پر الزام قائم کرنے کے لئے ایسا لکھا ہے۔ تو میں عرض کروں گا کہ الزام، مخاطب پر قائم کیا جاتا ہے۔ پھلواروی صاحب کے مخاطب، روافض اور ملّا باقر مجلسی نہیں۔ پھر ان پر الزام قائم کرنے کے کیا معنے؟ درود تاج، دلائل الخیرات اور حزب البحر وغیرہ جن اوراد و وظائف پر پھلواری صاحب نے اعتراضات کئے وہ بزرگان اہل سنت کے معمولات ہیں۔ اس لئے پھلواروی کے مخاطب۔ روافض اور ملّا باقر مجلسی نہیں بلکہ ہم غریب سنی ہیں۔ لہذا روافض یا ملّا باقر مجلسی پر الزام قائم کرنے کا شبہ درست نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں اس موقع پر اظہار حق ضروری تھا۔ جو انہوں نے نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ وہی ان کے نزدیک حق ہے۔ جو اہل حق کے نزدیک سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے۔

پھلواروی صاحب کی یہ ساری کاوش اس غرض سے ہے کہ فضائل اہل بیت

کے انکار اور ان کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے کہیں سے انہیں کوئی سہارا مل جائے۔ نہ معلوم کس قدر تگ ودو اور کدوکاوش کے بعد ملّا باقر مجلسی کی یہ روایت ان کے ہاتھ آئی۔ جس کے بعد حضرتِ علی المرتضیٰ اور حسنین کریمین کے خلاف یہ دو باتیں ثابت کرنے کا بزعمِ خویش انہیں موقع میسر آیا۔ جو اہلِ سنّت کے لئے قابلِ قبول تو درکنار لائقِ التفات بھی نہیں۔

مَرحَب یہودی کے قاتل

دنیا جانتی ہے کہ یہودِ خیبر کے سب سے بڑے سردار مُرحَب کے قاتل حضرتِ علی المرتضیٰ ہیں۔ پھلواروی صاحب اس کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مزید براں طبری متوفی ۳۱۰ھ کے بیان کے مطابق مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں۔ اور صحیح بھی یہی ہے۔ کیونکہ ان کے بھائی محمود بن مسلمہ کو مرحب نے قتل کیا تھا۔ لہٰذا محمد بن مسلمہ کی خواہش پر حضور نے انہی کو مرحب کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور انہی نے اسے قتل کیا۔ مرحب کے قتل کا کوئی تعلق سیدنا علی سے نہیں۔ یہ چوتھی صدی ھجری کا اختراع ہے" انتہیٰ کلامہٗ

میں عرض کروں گا علمِ حدیث اور سیرت کی روشنی میں حضرتِ علی ہی مُرحَب کے قاتل ہیں۔ دیکھیے امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے "صحیح مسلم" میں حضرتِ سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طویل حدیث روایت کی۔ جس کا آخری حصہ حسبِ ذیل الفاظ میں ہے:۔ وَخَرَجَ مَرْحَبُ فَقَالَ:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّيْ مَرْحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

فَقَالَ عَلِيٌّ:

اَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ اُمِّيْ حَيْدَرَه۔ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَه

قَالَ فَضَرَبَ رَاْسَ مَرْحَبْ فَقَتَلَهٗ ثُمَّ کَانَ الْفَتْحُ عَلٰی یَدَیْہِ (صحیح مسلم شریف جلد ۲ صہ ۱۴۴ طبع بیروت) یہودیوں کا سب سے بڑا سردار مرحب رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا میدان جنگ میں نکلا۔ خیبر والے جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ نہایت مضبوط ہتھیار بند، آزمودہ بہادر پہلوان۔ جب بھڑکتی ہوئی لڑائیاں سامنے آئیں۔ حضرتِ علی نے اس کے مدمقابل ہو کر فرمایا: میں وہ علی ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا، بیابانوں کے خوفناک شیروں کی طرح، میں دشمنوں کو بڑی تیزی اور فراخی کے ساتھ قتل کرتا ہوں۔ سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ حضرتِ علی نے مرحب کے سر پر کاری ضرب لگائی اور اسے قتل کر دیا۔ پھر خیبر حضرتِ علی کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔ انتھیٰ۔

علامہ ابن کثیر نے فرمایا اس حدیث کو مسلم اور بیہقی نے روایت کیا۔ بیہقی کے الفاظ حسب ذیل ہیں: "قَالَ فَضَرَبَ مَرْحَبَ فَفَلَقَ رَاْسَهٗ فَقَتَلَهٗ وَکَانَ الْفَتْحُ"، سلمہ بن اکوع نے کہا کہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مرحب کو ضربِ کاری لگائی۔ اس کا سر پھاڑ کر اسے قتل کر دیا۔ اور خیبر کی جنگ فتح ہو گئی۔ (البدایہ والنہایہ جزءِ چہارم صہ ۱۸۸ طبع مصر) یہی الفاظ مستدرک میں بھی ہیں۔ (المستدرک للحاکم جلد ۳ صہ ۳۹ طبع بیروت) اسی طرح طبقاتِ محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ میں ہے۔ (جلد ۲ صہ ۱۱۲ طبع بیروت)

ابن کثیر نے بیہقی کی ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:۔ "فَبَدَرَہٗ عَلِیٌّ بِضَرْبَۃٍ فَقَدَّ الْحَجَرَ وَالْمِغْفَرَ وَرَاْسَہٗ وَوَقَعَ فِی الْاَضْرَاسِ، وَاَخَذَ الْمَدِیْنَۃَ۔" حضرتِ علی نے مرحب کو ضرب لگانے میں جلدی کی تلوار کی ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کے پتھر اور لوہے کے خود کو

کاٹ کے رکھ دیا۔ تلوار اس کے سر میں پیوست کردی۔ جو اس کی ڈاڑھوں تک پہنچ گئی۔ اور خیبر کے شہر کو فتح کرلیا۔ (البدایہ والنہایہ جزء ۴ صہ ۱۸۷) نیز علامہ ابن کثیر نے امام احمد کی بھی ایک روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عَنْ عَلِیٍّ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) قَالَ لَمَّا قَتَلْتُ مَرْحَبَ جِئْتُ بِرَأْسِہٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یعنی امام احمد متوفی ۲۴۱ھ نے فرمایا: حضرت علی سے مروی ہے۔ جب میں نے مرحب کو قتل کردیا تو اس کا سر لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جزء ۴ صہ ۱۸۸)

طبری میں ہے ”فَاخْتَلَفَ ھُوَ وَعَلِیٌّ ضَرْبَتَیْنِ فَضَرَبَہٗ عَلِیٌّ عَلٰی ھَامَتِہٖ حَتّٰی عَضَّ السَّیْفُ مِنْھَا بِاَضْرَاسِہٖ وَسَمِعَ اَھْلُ الْعَسْکَرِ صَوْتَ ضَرْبَتِہٖ فَمَا تَتَامَّ اٰخِرُ النَّاسِ مَعَ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ لَہٗ وَلَھُمْ“ مرحب اور حضرت علی نے آپس میں ایک دوسرے پر دو ضربوں کے وار کئے۔ پھر حضرت علی نے اس کی کھوپڑی میں تلوار ماری حتی کہ حضرت علی کی تلوار خارا شگاف نے کھوپڑی سے لے کر اس کی ڈاڑھوں تک مرحب کو چیر کر رکھ دیا۔ لشکر والوں نے حضرت علی کی اس ضرب کی آواز سنی۔ پچھلے لوگ ابھی حضرت علی پر پہنچنے نہ پائے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے حضرت علی اور تمام مسلمانوں کے لئے خیبر کو فتح فرمادیا۔ (طبری جلد ۲ جزء ۳ صہ ۹۳ طبع بیروت)

اور یہی طبری متوفی ۳۱۰ھ اس کے ساتھ ایک اور روایت لائے ہیں:۔

”فَبَدَرَہٗ عَلِیٌّ بِضَرْبَۃٍ فَقَدَّ الْحَجَرَ وَالْمِغْفَرَ وَرَأْسَہٗ حَتّٰی وَقَعَ فِی الْاَضْرَاسِ وَاَخَذَ الْمَدِیْنَۃَ“ مرحب کو ضرب لگانے میں حضرت علی نے جلدی کی تو پتھر اور لوہے کے خود اور اس کے سر کو کاٹ دیا۔ یہاں تک کہ وہ تلوار مرحب کی ڈاڑھوں تک پہنچ گئی۔ حضرت علی نے اسی وقت خیبر کا شہر فتح

کر لیا۔ (طبری جلد ۲، جزء ۳، صہ ۹۴ طبع بیروت)

محب طبری پر غلط بیانی

پھلواروی صاحب کی یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے کہ انہوں نے طبری کی ان دونوں روایتوں کو چھوڑ دیا۔ اور محمد بن مسلمہ کے بارے میں جو ایک روایت طبری نے لکھی۔ اسی کو طبری کا بیان قرار دے دیا۔ اور سارا زورِ قلم اسی پر لگا دیا۔ کہ "مرحب کے قاتل صرف حضرتِ محمد بن مسلمہ ہیں۔ مرحب کے قتل کا کوئی تعلق حضرت سیدنا علی سے نہیں، یہ چوتھی صدی ھجری کا اختراع ہے"، حالانکہ وہی امام طبری متوفی ۳۱۰ھ ہیں۔ جن کا سہارا پھلواری صاحب نے لیا۔ وہی، حضرتِ علی کو مرحب کا قاتل ظاہر کرنے کے دو روایتیں اپنی کتاب میں درج فرما رہے ہیں۔

پھر انہوں نے صحیح مسلم کو بھی نظر انداز کر دیا جس کے مؤلف کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ اور انہوں نے حضرتِ علی کے مرحب کو قتل کرنے کا واقعہ اپنی "صحیح" میں روایت کیا۔ جسے پھلواروی صاحب چوتھی صدی ہجری کا اختراع قرار دے رہے ہیں۔ فیا للعجب۔

پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ "طبری کے بیان کے مطابق مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں اور یہ صحیح بھی ہے"۔ قطعًا غلط اور بے بنیاد ہے۔ طبری کا کوئی ایسا بیان موجود نہیں۔ اگر طبری کی ایک روایت کو وہ ان کا بیان سمجھتے ہیں تو اس کے خلاف دو روایتوں کو طبری کا ڈبل اور مکرر بیان سمجھنا چاہیئے۔ جن کے مطابق حضرتِ علی ہی مرحب کے قاتل ہیں۔ میں عرض کروں گا۔ یہ صحیح بھی یہی ہے پھلواروی صاحب نے اپنے دعوئ صحت کی جو دلیل لکھی ہے وہ قطعًا

غلط ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ : "کیونکہ ان کے بھائی محمود بن مسلمہ کو مرحب نے قتل کیا تھا۔ لہٰذا محمد بن مسلمہ کی خواہش پر حضور نے انہی کو مرحب کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔"

محض مرحب تو محمود بن مسلمہ کا قاتل نہیں۔ ان کو قتل کرنے والی پوری جماعت ہے جنہوں نے اپنے ایک قلعہ کی دیوار سے حضرتِ محمود بن مسلمہ پر چکّی کا ایک بھاری پتھر گرایا۔ اور وہ اس سے قتل ہو گئے۔ (طبری جزء ۳ صہ ۹۲۔ البدایہ والنہایہ جلد ۲ جزء ۴ صہ ۱۹۲) اسی لئے کسی نے بھی مرحب کو ان کا قاتل نہیں لکھا۔ بلکہ روایات میں " قَتَلُوْا " کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جو جمع کا صیغہ ہے یعنی یہود کی ایک جماعت نے حضرتِ محمود بن مسلمہ کو قتل کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ جزء ۴، صہ ۱۸۹، طبری جلد ۲ جزء ۳ صہ ۹۲)

غزوہ خیبر کے قصہ میں خیبر کے یہودی کنانہ کے متعلق طبری کی ایک روایت ہے :- " ثُمَّ دَفَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَۃَ فَضَرَبَ عُنُقَهٗ بِاَخِیْهِ مَحْمُوْدِ بْنِ مَسْلَمَۃَ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالے فرما دیا۔ جسے انہوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے بدلے میں قتل کر دیا۔ (طبری جلد ۲ جزء ۳ صہ ۹۵ طبع بیروت)

طبری کی اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ محمود بن مسلمہ کا قاتل کنانہ تھا جس سے واضح ہو گیا کہ مرحب کو محمود بن مسلمہ کا قاتل قرار دینا صحیح نہیں ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ یہود کی جس جماعت نے محمود بن مسلمہ پر قلعے کی دیوار سے پتھر گرایا۔ جس سے وہ قتل ہو گئے۔ مرحب بھی اس میں شامل ہو۔ اور اس طرح وہ دونوں ہی محمود بن مسلمہ کے قاتل قرار پائیں کیونکہ کسی کے قتل میں جتنے آدمی شامل ہوں گے۔ وہ سب اس کے قاتل قرار پائیں گے۔ لیکن ان میں سے محض کسی ایک کو قاتل

قرار دینا درست نہ ہوگا۔

محمد بن مسلمہ کے مرحب کو قتل کرنے کی جس روایت کا سہارا پھلواروی صاحب نے لیا ہے وہ مرجوح ہے، جمہور محدثین اور علماءِ سیر کا قول یہی ہے کہ مرحب کے قاتل حضرتِ علی المرتضیٰ ہیں وہ اسی کو صحیح کہتے ہیں۔

محمد بن مسلمہ کے مرحب کے قاتل ہونے کا قول ضعیف ہے۔ اسی لئے علماء نے اسے لفظِ قِیلَ کے ساتھ بصیغۂ تمریض نقل کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے فرمایا

"قِیْلَ اِنَّہٗ ھُوَ الَّذِیْ قَتَلَ مَرْحَبَ الْیَھُوْدِیَّ وَالصَّحِیْحُ الَّذِیْ عَلَیْہِ اَکْثَرُ اَھْلِ السِّیَرِ وَالْحَدِیْثِ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَتَلَ مَرْحَبَ"

(اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۳۳۱ طبع ایران)

یعنی ایک (ضعیف) قول یہ ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا۔ اور صحیح یہی ہے کہ مرحب کے قاتل حضرتِ علی ہیں۔ اکثر اہلِ سیر و حدیث اسی کے قائل ہیں۔

(انتہیٰ)

حضرتِ علی کے مرحب کو قتل کرنے کی حدیث کی شرح میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اصح یہی ہے کہ حضرتِ علی ہی مرحب کے قاتل ہیں۔ اور ایک (ضعیف) قول یہ ہے کہ مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں۔ ابن عبد البر نے اپنی کتاب اَلدُّرَر میں محمد بن اسحٰق کا یہ قول نقل کیا کہ مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں۔ اسے نقل کرنے کے بعد ابن عبد البر نے فرمایا کہ محمد بن اسحٰق کے علاوہ دوسروں کا قول یہ ہے کہ مرحب کے قاتل حضرتِ علی المرتضیٰ ہیں۔ اور ہمارے نزدیک صحیح بھی یہی ہے۔ پھر اپنی اسناد سے یہی بات انہوں نے سلمہ اور بریدہ سے روایت کی، علامہ نووی فرماتے ہیں: ابن اثیر کا قول یہ ہے۔ کہ جمہور علمائے حدیث اور علمائے سیرت اسی مسلک پر ہیں کہ مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا۔ انتہیٰ (ملخصاً)۔ (نووی شرح مسلم بھامش

ارشاد الساری جلد ۶، صہ ۲،۴،۳،۴ طبع مصر)

مخفی نہ رہے کہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ واقدی نے ذکر کیا کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کے دونوں پاؤں کاٹ دیئے۔ شدتِ تکلیف کی حالت میں اس نے کہا کہ مجھے جلدی قتل کر دے۔ محمد بن مسلمہ نے فرمایا کہ میں ایسا نہیں کروں گا کہ تجھے جلدی قتل کر دوں۔ اب تو موت کا مزہ اسی طرح چکھتا رہ۔ جیسے محمود بن مسلمہ موت کا مزہ چکھتے رہے۔ حضرتِ علی اس پر گذرے۔ انہوں نے مرحب کا سر کاٹ دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ جزء ۴ صہ ۱۸۹)

واقدی کا یہ قول اگر ثابت ہو تو دونوں روایتوں میں تطبیق کا یہ پہلو نکل سکے گا کہ محمد بن مسلمہ اور حضرتِ علی دونوں کو مرحب کا قاتل کہنا صحیح ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ایک شخص کے قتل میں جتنے آدمی شریک ہوں۔ سب کو اس کا قاتل کہا جائے گا۔ اگرچہ اصل قاتل ایک ہی ہو۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کے صرف پاؤں کاٹے۔ اور حضرتِ علی المرتضیٰ نے اس کا سر کاٹ دیا۔ اصل قاتل حضرتِ علی المرتضیٰ ہی رہے۔ اگرچہ محمد بن مسلمہ کو بھی شریکِ قتل ہونے کی وجہ سے قاتل کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ مرحب اور کنانہ دونوں کو محمود بن مسلمہ کا قاتل کہنا صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر دوسرے سے قتل کی نفی کر کے محض ایک کو قاتل کہنا صحیح نہیں۔

۳۳ تینتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

استمداد کی شرعی حیثیت

بے شک اللہ کے سوا کسی کو معین اور مددگارِ حقیقی سمجھنا شرکِ خالص ہے۔ مگر

مال قربِ الٰہی کے باعث اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو مظاہرِ عونِ الٰہی سمجھنا یقیناً حق ہے۔ قرآن وحدیث میں یہ مضمون وارد ہے یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کر رہا ہوں۔ بصیرت وانصاف کی نظر سے غور کیا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ دیکھئے حدیثِ قدسی میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے میرے ولی سے عداوت کی میری طرف سے اسے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ میری کسی پسندیدہ چیز کے ذریعے میرا دہ قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے فرائض کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سمع ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے میری پناہ طلب کرے۔ تو اسے میں ضرور اپنی پناہ دوں گا۔ الحدیث البخاری جلد ۲ صہ ۹۶۳ (مشکوٰۃ صہ ۱۹۷) بخاری شریف کی اس حدیث قدسی کے بعض دیگر طرق میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں: "وَفُؤَادَهُ الَّذِي يَعْقِلُ بِهِ وَلِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ" یعنی میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے (اشعۃ اللمعات جلد ۲ صہ ۱۹۴ طبع مجتبائی)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کے ایک طریق روایت میں لِسَانًا اور قَلْبًا کے الفاظ نقل کئے ہیں (تفسیر کبیر جلد ۵ صہ ۶۸۷ طبع مصر) اس حدیث

واضح ہوگیا کہ مقربانِ بارگاہِ الوہیت کا مظاہر عونِ الٰہی ہونا حقیقت ثابتہ ہے۔
اس حدیث کو صرف اس بات پر محمول کر دینا کہ قرب نوافل حاصل کرنے والے بندے کو جب اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اس کا سننا، دیکھنا، کام کرنا چلنا پھرنا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکام شریعت کے مطابق ہو جاتا ہے یعنی مقرب بندہ اپنی آنکھ کان وغیرہ کسی عضو سے معصیت کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ہرگز صحیح نہیں کیونکہ "کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا" کا مقام اس بندے کو اللہ کا محبوب ہونے کے بعد ملا ہے۔ اور وہ محبوب اسی وقت ہوگا۔ جب وہ گناہ چھوڑ دے گا۔ اور اپنی آنکھ کان ہاتھ وغیرہ کو احکام شرعیہ کے تابع بنا دے گا۔ اگر اس کے بغیر ہی وہ محبوب ہو جائے تو سب عاصی اور گنہگار اللہ کے محبوب ہوں گے۔ پھر سوچئے کہ محبوبیت الٰہیہ کی کیا وقعت رہی؟ معلوم ہوا کہ اپنی سمع بصر وغیرہ کو احکام شرعیہ کے تابع کرنے کے بعد کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا کا مقام اسے حاصل ہوا ہے۔ اب اگر اسے بھی ہم گناہوں سے بچنے کے معنے پر محمول کر دیں تو اس کی حیثیت رجعت قہقری سے زائد کیا ہوگی؟ بلکہ اسے تحصیل حاصل کہنا پڑے گا۔ جو صراحتاً باطل ہے۔ اس لئے حدیث کو معنے سابق پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ حدیث کے صحیح معنی یہی ہیں کہ بندۂ مقرب اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر و دیگر صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث کے پیش نظر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ اِلَى الْمَقَامِ الَّذِىْ يَقُوْلُ اللّٰهُ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّبَصَرًا فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰهِ سَمْعًا لَّهٗ سَمِعَ الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَصَرًا لَّهٗ رَاَى الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ يَدًا لَّهٗ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِى الصَّعْبِ وَالسَّهْلِ وَالْبَعِيْدِ وَالْقَرِيْبِ" یعنی بندہ جب گناہوں سے

پہنچ کر نیکی کے کاموں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں اس کی سمع اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں۔ تو جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جائے تو وہ قریب، اور دور کی بات سن لیتا ہے اور جب یہ نور اس کی بصر ہو جائے تو وہ قریب اور دور کی چیز کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہ نور اس کا ہاتھ ہو جائے تو وہ مشکل اور آسان اور دور اور قریب پر قادر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی جلد ۵ صہ ۶۸۸ صہ ۶۸۹ طبع مصر)

جن لوگوں نے اس حدیث کو عقیدۂ توحید کیخلاف سمجھا۔ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ حدیث میں یہ نہیں آیا کہ معاذاللہ وہ "بندۂ مقرب" اللہ ہو جاتا ہے۔ یا۔ اللہ بندے میں حلول کر لیتا ہے۔ بلکہ حدیث کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ کا بندہ کمالِ قرب کے باعث اللہ کے نورِ سمع، نورِ بصر، نورِ قدرت، نورِ کلام اور نورِ علم و ادراک کا مظہر ہو جاتا ہے۔ انسانیت کا کمال قربِ الٰہی ہے۔ قرآن و حدیث اور شریعتِ اسلامیہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا مقرب ہو جائے۔ اگر یہ کفر و شرک ہے تو اسلام اور توحید کا کیا مفہوم ہو گا؟ کمالِ انسانیت کے معیار کو کفر و شرک کہنا کتاب و سنت سے ناواقفیت اور روحِ اسلام سے بیگانگی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جو مقرب بندے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اس کی دی ہوئی قدرت کے باوجود اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی کام ان سے سرزد نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ارادے اور مشیت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع کر دیتے ہیں۔

بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اختیار کے باوجود اس کی حکمت اور مشیت کے تابع رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو سونے کے پہاڑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یَاعَائِشَۃُ لَوْشِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّھَبِ۔ اے عائشہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔ (مشکوٰۃ صـ۵۲۱) اور فقر و فاقہ کی کبھی نوبت نہ آتی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فقر کو اختیار فرمایا۔

بے شک تمام انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کل مخلوقات اللہ تعالےٰ کے محکوم اور مقدور ہیں۔ اس کے حکم اور قدرت سے کوئی باہر نہیں۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ بہ نسبت خلائق مجبور محض ہوں۔ بلکہ مظاہر عونِ الٰہی ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ اپنی اور ہماری سب کی مدد کرتے اور کر سکتے ہیں۔ ان کا بعض اوقات ہماری مدد نہ کرنا اس لئے نہیں کہ وہ ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ بتقاضائے کمالِ عبدیت اللہ کی حکمت کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ دلائل اور تفصیل کا یہ موقع نہیں سمجھنے کے لئے اتنی بات پیش نظر رکھ لیں کہ بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے والا روزے دار جسے اللہ تعالےٰ نے سب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ روزے کی حالت میں کھانے پینے کی طاقت رکھتا ہے۔ مگر رضائے الٰہی کے پیش نظر وہ ایسا نہیں کرتا نمازی نماز کی حالت میں لوگوں سے کلام کر سکتا ہے مگر بندگی کا تقاضا اسے روکتا ہے ایک طاقتور مظلوم ظالم سے انتقام لے سکتا ہے۔ مگر کمالِ حلم اس کے لئے مانع ہے

حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم کے مظہر عونِ الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر وہ چاہتے تو باذنِ الٰہی اپنی مدد کر سکتے تھے۔ مگر اپنے رب کی حکمت و رضا کے تحت انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ اور حکمتِ الٰہیہ کے مطابق عمل کرنا سنتِ الٰہیہ ہے۔ غور فرمائیے۔ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لوگ بہت سے کام اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں روک سکتا ہے مگر نہیں روکتا۔ شیطان

کی سرکشی دور کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ مگر اپنی حکمتوں کی بناء پر ایسا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سنتِ الٰہیہ کا مظہر ہوتے ہیں۔ اپنے اوپر ان کا قیاس کر کے انہیں اپنا جیسا سمجھنا نادانی اور ناانصافی ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

۳۴ چونتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

لِی خَمْسَۃٌ اُطْفِیْ بِھَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَہ
اَلْمُصْطَفٰی وَالْمُرْتَضٰی وَابْنَاھُمَا وَالْفَاطِمَۃُ

اس کے بعد لِی خَمْسَۃٌ پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "معلوم نہیں کس بے علم نے یہ شعر بنایا ہے؟ بِھَا کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بِھِم ہوتا تو کچھ بات بھی بن جاتی۔ پھر وَبَاء مؤنث نہیں۔ مگر یہاں اس کی صفت حَاطِمَہ لائی گئی ہے۔ پھر فاطمہ پر الف لام نہیں آتا۔ اور یہاں بے تکلف داخل کر دیا گیا۔" (صہ۲۱)

پھلواروی صاحب نے یہاں تین اعتراض کئے ہیں۔

(۱) وہ فرماتے ہیں: بِھَا کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بِھِم ہوتا تو کچھ بات بھی بن جاتی۔"

پھلواروی صاحب کی کم فہمی پر حیرت ہے۔ وہ اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ ضمیر "ھَا" کا مرجع لفظِ خَمْسَۃٌ کے ضمن میں موجود ہے۔ تقدیرِ عبارت ہے۔ "خَمْسَۃُ اَشْخَاصٍ"، ایسی صورت میں جمع مذکر غائب اور بتاویل جماعت واحد مؤنث غائب بلکہ جمع مؤنث غائب کی ضمیر بھی لانا جائز ہے۔ تینوں استعمال احادیث

سے ثابت ہیں۔

نمبر۱: " ثَلَاثَةٌ مَنْ قَالَهُنَّ "، (مسند امام احمد جلد ۲ صہ ۱۴ طبع بیروت)

نمبر۲: " ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهَا اللّٰهُ "، (مجمع الزوائد جزء دوم جلد اول صہ ۱۰۵ طبع بیروت)

نمبر۳: " ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ " (ابوداؤد جلد ا صہ ۳۳۷ طبع اصح المطابع کراچی)

پھلواروی صاحب کا ایک کے سوا باقی دو کی نفی کرنا۔ ان کی لاعلمی پر مبنی ہے۔

(۲) فرماتے ہیں: " وباء مؤنث نہیں مگر یہاں اس کی صفت حاطمہ لائی گئی ہے"

پھلواری صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہاں اَلْوَبَاء کی صفت اَلْحَاطِمَةُ صرف رعایت قافیہ کی وجہ سے ہے۔ جو رعایتِ سجع سے کم نہیں اور رعایتِ سجع میں یہ اختلاف کلام عرب اور حدیث میں وارد ہے۔

حدیثِ امِّ زرع میں گیارہ عورتوں سے ایک عورت کا قول مروی ہے:
" وَأَرَاحَ عَلَيَّ نِعَمًا ثَرِيًّا "، شارحِ شمائل اس مقام پر ارقام فرماتے ہیں
وَكَانَ الظَّاهِرُ أَنْ تَقُوْلَ ثَرِيَّةً لٰكِنَّهَا ارْتَكَبَتْ ذٰلِكَ لِأَجْلِ السَّجْعِ "
یعنی یہاں اسے " نِعَمًا ثَرِيَّةً " کہنا چاہیئے تھا لیکن رعایتِ سجع کی وجہ سے اس نے " ثَرِيَّةً " کی بجائے مذکر کا لفظ " ثَرِيًّا " بول دیا۔

(شرح شمائل ترمذی صہ ۱۹۴ طبع مصر)

پھلواروی صاحب اہلِ عرب کے عام استعمالات سے بھی بے خبر ہیں

(۳) فرماتے ہیں: " پھر فاطمہ پر الف لام نہیں آتا۔ اور یہاں بے تکلف داخل کر دیا۔"

پھلواروی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ لفظِ ذاطہ صفت کا صیغہ چونکہ عَلَم

ہے۔ اس لئے اس پر الف لام داخل ہونے کو وہ ناجائز سمجھ رہے ہیں۔ یہ ان کی لاعلمی اور کم فہمی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ الف لام زائدہ ہے جس کا لفظِ فاطمہ اور اس جیسے دیگر اعلام پر داخل ہونا اگرچہ ضروری نہیں مگر اس کا جائز ہونا بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ دیکھیئے شرح ابن عقیل میں ہے:

"وَاَكْثَرُ مَا تَدْخُلُ عَلَى الْمَنْقُوْلِ مِنْ صِفَةٍ كَقَوْلِكَ فِیْ حَارِثٍ "اَلْحَارِثُ"" یعنی صفت کا صیغہ جب اسمیت کی طرف منقول ہو تو اکثر اس پر الف لام داخل ہوتا ہے۔ جیسے لفظِ حارث کو "اَلْحَارِث" کہنا۔

(ابن عقیل شرح ابن مالک صہ ۱۸۴ جلد اول طبع مصر)

اور النحو الوافی میں ہے "اَلْ الزَّائِدَةُ هِیَ الَّتِیْ تَدْخُلُ عَلَى الْمَعْرِفَةِ اَوِ النَّكِرَةِ فَلَا تُغَيِّرُ التَّعْرِيْفَ اَوِ التَّنْكِيْرَ..... فَمِثَالُ دُخُوْلِهَا عَلَى الْمَعْرِفَةِ "اَلْمَاْمُوْنُ بْنُ الرَّشِيْدِ مِنْ اَشْهَرِ خُلَفَاءِ بَنِی الْعَبَّاسِ" فَالْكَلِمَاتُ مَاْمُوْنٌ وَرَشِيْدٌ وَعَبَّاسٌ مَعَارِفُ بِالْعَلَمِيَّةِ قَبْلَ دُخُوْلِ اَلْ۔ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهَا لَمْ تُحْدِثْ تَغْيِيْرًا فِیْ تَعْرِيْفِهَا وَلَمْ تُفِدْهَا تَعْرِيْفًا جَدِيْدًا۔" یعنی الف لام زائدہ جو معرفہ یا نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ وہ اس کی تعریف یا تنکیر کو متغیر نہیں کرتا۔ معرفہ پر اس کے داخل ہونے کی مثال اس جملے میں ہے۔ "اَلْمَاْمُوْنُ ابْنُ الرَّشِيْدِ مِنْ اَشْهَرِ خُلَفَاءِ بَنِی الْعَبَّاسِ" ــــ مامون، رشید اور عباس تینوں نام الف لام داخل ہونے سے پہلے عَلَمیت کے ساتھ معرفہ ہیں۔ الف لام نے ان پر داخل ہو کر ان کے عَلَم معرفہ ہونے میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ نہ کسی تعریف جدید کا فائدہ دیا۔

(النحو الوافی جلد ۱ صہ ۴۲۹ طبع مصر)

علاوہ ازیں بھیلوادوی صاحب نے ضرورتِ شعری کے قانون کو بھی نظر انداز

فرما دیا۔ نحو کے جن قواعد کو وہ یقینی فرمارہے ہیں خود ان پر یقین نہیں رکھتے۔

۳۵ پینتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

"صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ"

ضمیرِ مجرور پر بغیر اعادۂ جار عطف

پھلواروی صاحب نے درود کے اِن الفاظ پر بھی اعتراض کیا ہے صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے متعلق وہ فرماتے ہیں ! چند دنوں سے اخباروں، رسالوں میں، ٹی وی اور ریڈیو میں اور بعض قدیم معتبر مذہبی کتابوں میں بڑی کثرت سے یہ درود لفظ "آلِہٖ" کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ حالانکہ نحوی اعتبار سے یہ الفاظ صحیح نہیں۔ اصول یہ ہے کہ ضمیرِ مجرور۔ پر جب اسم ظاہر کا عطف ہو تو اعادۂ جار ضروری ہوتا ہے (صہ ۲۲)

پھلواروی صاحب کی علمی بے مائیگی پر افسوس ہوتا ہے۔ نحاۃ کا یہ قول تو انہوں نے دیکھ لیا کہ ضمیرِ مجرور پر اسمِ ظاہر کا عطف اعادۂ جار کے بغیر نہیں ہوتا بے شک قرآن و حدیث اور کلامِ عرب میں اعادۂ جار کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ پھلواروی صاحب نے بھی اس کی ایک دو مثالیں لکھی ہیں جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ تمام نحاۃ کا اس پر اتفاق ہو اور کسی کے نزدیک بھی اعادۂ جاز کے بغیر ضمیرِ مجرور پر اسمِ ظاہر کا عطف جائز نہ ہو۔ اکثر بصریین کا یہی مذہب ہے۔ لیکن کوفیین اسے جائز سمجھتے ہیں۔ ابنِ مالک بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ الفیہ میں ان کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ہ وَعَوْدُ خَافِضٍ لَدٰی عَطْفٍ عَلٰی
ضَمِیرِ خَفْضٍ لَازِمًا قَدْ جُعِلَا

ہ وَلَیْسَ عِنْدِی لَازِمًا اِذْ قَدْ اَتٰی
فِی النَّثْرِ وَالنَّظْمِ الصَّحِیحِ مُثْبَتَا

شارحِ الفیہ ابنِ عقیل نے ان دونوں شعروں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا: یعنی جمہور نحاۃ نے اس صورت میں اعادۂ جار کو ضروری قرار دیا۔ اور میرے نزدیک صورتِ مذکورہ میں جار کا اعادہ ضروری نہیں کیونکہ اعادہ جار کے بغیر یہ عطف نظم و نثر میں سماعًا وارد ہوا ہے — (ابنِ عقیل فرماتے ہیں) نثر میں اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف حمزہ کی قرأت " تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ " (بجر الارحام) میں وارد ہے۔ کیونکہ یہاں " الارحام ،، کا عطف " بہ " کی ضمیرِ مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر ہوا ہے۔ اور نظم میں یہ شعر ہے جسے سیبویہ نے پڑھا :- ہ

فَالْیَوْمَ قَرَّبْتَ تَهْجُوْنَا وَتَشْتِمُنَا
فَاذْهَبْ فَمَا بِكَ وَالْاَیَّامِ مِنْ عَجَبٍ

(ترجمہ) یعنی تو آج ہماری ہجو کرتا اور ہمیں گالیاں دیتا ہوا ہمارے پاس آیا ہے۔ چلا جا۔ تجھ پر اور ان ایام پر کوئی تعجب نہیں۔ (ایسا ہوتا ہی رہتا ہے) اس شعر میں " بِكَ ،، کی ضمیرِ مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر " الایامِ ،، کا عطف ہوا ہے۔ (ابنِ عقیل جلد ۲ صہ ۲۳۹ صہ ۲۴۰ طبع بیروت)

ثابت ہوا کہ نظم و نثر دونوں میں اعادۂ جار کے بغیر اسمِ ظاہر کا عطف ضمیرِ مجرور پر کلامِ عرب میں مسموع ہے۔ مخفی نہ رہے کہ حمزہ کی قراءت، قراءاتِ سبعہ متواترہ میں سے ہے۔ جس کے غلط ہونے کا تصور بھی کوئی

مسلمان نہیں کرسکتا۔ قرآنی شہادت کے بعد اس کو غلط کہنا ایسی جسارت ہے جو کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔

اس قراءتِ حمزہ میں "الارحامِ" کا عطف ضمیر مجرور پر متعین ہے۔ کسی تأویل کا یہاں احتمال نہیں۔ اس آیت کے تحت تفسیرِ مظہری میں ہے "وَقَرَءَ حَمْزَةُ بِالْجَرِّ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ دَلِيْلٌ لِلْكُوْفِيِّيْنَ عَلٰى جَوَازِ الْعَطْفِ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ مِنْ غَيْرِ اِعَادَةِ الْجَارِّ فَاِنَّ الْقِرَاءَةَ مُتَوَاتِرَةٌ" یعنی حمزہ نے "تساءلون بہ والارحامِ" میں "الارحام" کو جر کے ساتھ پڑھا جس میں (اعادۂ جار کے بغیر) ضمیر مجرور پر عطف واقع ہوا ہے۔ اور یہ آیت کوفیین کے اس قول کی دلیل ہے کہ ضمیر مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر عطف جائز ہے۔ کیونکہ حمزہ کی قرأت متواترہ ہے۔ انتہیٰ۔
(تفسیر مظہری سورۃ النساء جلد ۲ صہ ۳ طبع حیدر آباد دکن)

اور تفسیر روح المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی فرماتے ہیں:۔
"اِخْتَارَ اَبُوْحَيَّانٍ عَطْفَهٗ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمَجْرُوْرِ وَاِنْ لَّمْ يُعَدِ الْجَارُّ وَاَجَازَ ذٰلِكَ الْكُوْفِيُّوْنَ وَيُوْنُسُ وَالْاَخْفَشُ وَاَبُوْ عَلِيٍّ وَهُوَ شَائِعٌ فِيْ لِسَانِ الْعَرَبِ نَظْمًا وَنَثْرًا" یعنی ابوحیان (صاحب تفسیر البحر المحیط) کے نزدیک اعادۂ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف مختار ہے اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف کوفیین، یونس، اخفش اور ابو علی سب کے نزدیک جائز ہے۔ اور اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف کلام عرب میں نظماً و نثراً شائع ہے (روح المعانی پ ۲ جلد ا جزء ۲ صہ ۱۰۹ طبع دیوبند)

اس آیت کے علاوہ قرآن مجید کی دیگر آیات، مثلاً "وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (پ البقرہ آیت نمبر ۲۱۷) اور "قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا

یُتْلٰی عَلَیْکُمْ "(پ۵ النساء آیت نمبر ۱۲۷) سے بھی اعادۂ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کے عطف کے جواز پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ "وَالْمَسْجِدِ الْحَرَام" کا عطف اعادۂ جار کے بغیر "بہ" کی ضمیر مجرور پر ہے۔ اور "وَمَا یُتْلٰی" میں "مَا" کا عطف "فِیْھِنَّ" کی ضمیر مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر ہو رہا ہے۔ لیکن ہم نے بحث کی طوالت سے بچنے کے لئے اختصار کے ساتھ ان آیات کے محض ذکر پر اکتفاء کیا۔ اس عطف کے جواز میں ابو حیان کا طویل کلام تفسیر "البحر المحیط" جلد ۲ صہ ۱۴۷، صہ ۱۴۸، جلد ۳ صہ ۱۵۷، صہ ۱۵۸، صہ ۱۵۹ (طبع بیروت) پر ملاحظہ فرمائیے۔ ان کے علاوہ دیگر تفاسیر میں بھی ضمیر مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر اسم ظاہر کے عطف کا جواز صراحت اور بسط کے ساتھ مرقوم ہے۔ مثلاً تفسیر قرطبی جلد ۳ جزء ۵، صہ ۵ تفسیر کبیر جلد ۳ پ۴ صہ ۱۹۳، تفسیر الجلالین علی ہامش الصاوی جلد ۱ صہ ۱۷۶، تفسیر الصاوی، جلد ۱ صہ ۱۷۶ وغیرہ۔

ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ ہمارے دلائل کے سامنے پھلواروی صاحب کے قول کی کیا وقعت رہ گئی؟ اس تفصیل سے پھلواروی صاحب کے اس نظریے کے بطلان پر بھی مزید روشنی پڑ گئی کہ وہ قواعدِ نحویہ کو قطعی اور یقینی قرار دیتے ہیں۔ الحمد للہ ہم نے ثابت کر دیا کہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ایسا درود ہے جس کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ پھلواروی صاحب کا اسے غلط کہنا قطعاً غلط اور باطلِ محض ہے۔

۳۶/ چھتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

مسلمان کا مختصر درود

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" اس کی تعمیل میں مسلمان پڑھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اسی کا اختصار "صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ انتہیٰ

ناظرین کرام! ملاحظہ فرمائیں۔ پھلواروی صاحب نے کس چابک دستی کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو درود سے خارج کر دیا۔ میں عرض کروں گا کہ ارشاد باری کی تعمیل میں مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو درود سے خارج کرکے اس طرح نہیں پڑھتے جس طرح پھلواروی صاحب نے لکھا۔ بلکہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے ساتھ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بھی ضرور پڑھتے ہیں۔ ارشادِ باری کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درود کے جو الفاظ امت کو تلقین فرمائے۔ ان میں "عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ" کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان وارد ہے۔ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ تم اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہا کرو (مشکوٰۃ صد ۸۶ طبع رشیدیہ دہلی)

اگر کسی روایت میں آلِ مُحَمَّدٍ کے الفاظ نہیں تو اس کی بجائے ذُرِّیَّتِہٖ کے الفاظ موجود ہیں (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صد ۸۶)۔ اور ابوداؤد کی روایت میں تو ذُرِّیَّتِہٖ کے ساتھ اَھْلِ بَیْتِہٖ کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ (مشکوٰۃ صد ۸۷)

اس لئے مسلمانوں کے درود کا اختصار بقول پھلواروی صاحب "صلی اللہ علیہ وسلم" نہیں بلکہ اس کا اختصار "صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" ہے۔ نسخ مروجہ میں لفظ آل کا ساقط کرنا ناسخین کا تصرف ہے جو ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ پھلواروی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل کو درود سے خارج کر کے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معاذ اللہ بیزاری اور اپنے قلبی عناد کا مظاہرہ کیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۷ سینتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ

پھلواروی صاحب کا ایک عجیب استدلال ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"قرآن کریم میں صحابۂ کرام کے لئے آیا ہے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ، اس سے واضح ہوا کہ صحابۂ کرام کے لئے صرف رَضِیَ اللّٰہُ کہنا اور لکھنا ضروری ہے"

(انتہی کلامہ)

میں عرض کروں گا کہ اس آیتِ کریمہ میں مؤمنین اصحابِ شجرہ صحابۂ کرام سے اللہ تعالٰی کے راضی ہونے کا بیان ہے۔ جو ان کی فضیلت کی دلیل قطعی ہے لیکن اس سے پھلواروی صاحب کا یہ قول کہاں ثابت ہوا کہ "صحابہ کے لئے صرف رَضِیَ اللّٰہُ کہنا اور لکھنا ضروری ہے"۔

یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیتِ کریمہ میں محض اصحابِ شجرہ کا ذکر ہے۔ پھر مطلقاً ہر صحابی کے حق میں ان کا یہ استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟ دوسری یہ کہ یہاں اصحابِ شجرہ کی فضیلت بیان فرمانے کے لئے اللہ تعالٰی نے رَضِیَ اللّٰہُ فرمایا۔ ان کے ناموں کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ کہنے اور لکھنے کا اس آیت

میں کوئی حکم نہیں۔ ایسی صورت میں اسماءِ صحابہ کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ کہنے یا لکھنے کے ضروری ہونے پر پھلواروی صاحب کا یہ استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟

صحابۂ کرام کی خصوصی فضیلتِ عظمٰی کے پیشِ نظر ان کے اسماءِ گرامی کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ لکھنا تو ان علمائے کرام نے تحریر فرمایا ہے جو پھلواروی صاحب کی نظر میں کوئی خاص وقعت نہیں رکھتے۔ ہم ان علماء کے مطابق بطورِ ادب و احترام حضراتِ صحابۂ کرام کے اسماءِ گرامی کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ لکھتے ہیں۔ اور اسے اپنے لئے باعثِ خیر و برکت و سعادت سمجھتے ہیں۔ لیکن پھلواروی صاحب کا استدلالِ مذکور ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں صرف اصحابِ شجرہ کے لئے "رَضِیَ اللّٰہُ"، کے الفاظ وارد نہیں ہوئے بلکہ صحابہ ہوں یا غیر صحابہ ان سب مومنین کے حق میں "رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ"، کے الفاظ قرآن حکیم میں وارد ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ۔

(پ۳۰ البنیہ)

پھر ان کے حق میں فرمایا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ۔ اس آیت میں اصحابِ شجرہ ہونا تو درکنار صحابی ہونے کی بھی تخصیص نہیں بلکہ قیامت تک اُمت مسلمہ کے وہ تمام افراد جو مومنین کاملین اور صالحین ہیں سب اس میں شامل ہیں اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ سب کے حق میں وارد ہے۔ اگر پھلواروی صاحب کا استدلال صحیح ہو تو ہر مومنِ صالح کے نام کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ کہنا اور لکھنا ضروری قرار پائے گا۔ جس کے پھلواروی صاحب خود بھی قائل نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ عجیب و غریب استدلال ان کے اپنے لئے بھی قطعاً ناقابلِ التفات ہے۔

۳۸

اڑتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

"لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ"

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں۔ یہ حدیث جو حدیثِ قدسی بھی بتائی جاتی ہے جہاں روایۃً ناقابلِ اعتبار ہے اپنی زبان کے لحاظ سے بھی نادرست ہے۔

پھلواروی صاحب ناحق طعن کر رہے ہیں آج تک اس روایت کی صحت پر کسی نے اصرار نہیں کیا۔ بعض علماء نے تو اسے موضوع بھی کہا ہے۔ لیکن یہ حکم سندِ روایت کے اعتبار سے ہے جو صحتِ معنیٰ کی نفی کو مستلزم نہیں۔ دیکھیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ قَالَ الصَّغَانِیُّ اِنَّہٗ مَوْضُوْعٌ کَذَا فِی الْخُلَاصَۃِ لٰکِنْ مَعْنَاہُ صَحِیْحٌ فَقَدْ رَوَی الدَّیْلَمِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا مَرْفُوْعًا اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَسَاکِرَ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا۔ (موضوعات کبیر صہ ۵۹ طبع مجتبائی)

پھلواروی صاحب کا اس حدیث کو زبان کے اعتبار سے نادرست کہنا ہمارے نزدیک درست نہیں۔ دیکھیے کافیہ میں ہے۔ "وَجَاءَ لَوْلَاكَ وَعَسَاكَ اِلٰی اٰخِرِھِمَا" یعنی "لولاك" کلامِ عرب میں آیا ہے (صہ ۵۳) اور مشکل اعراب القرآن میں ہے " اَجَازَ سِیْبَوَیْہِ لَوْلَاکُمْ " یعنی "لَوْلَا کُمْ" کی ترکیب کو سیبویہ نے جائز کہا ہے (صہ ۲۱۰ جلد ۲ طبع ایران)

ثابت ہوا کہ یہ ترکیب اہلِ عرب سے مسموع ہے اور درست ہے۔

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "لَوْلَا" کے بعد خواہ اسمِ ظاہر آئے یا اسمِ ضمیر

آئے وہ بہر حال مرفوع ہوگا "

میں عرض کردں گا کہ لَوْلَا کے بعد ضمیرِ مرفوع یا اسمِ ظاہر مرفوع کے جائز اور مستعمل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، قرآن و حدیث اور محاوراتِ عرب میں یہ استعمالات بکثرت وارد ہیں۔ جس کی ایک دو مثالیں پھلواروی صاحب نے بھی لکھی ہیں۔ لیکن ان مثالوں سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ لَوْلَاكَ کی ترکیب نادرست ہے۔ اور وہ اہلِ عرب سے مسموع نہیں۔ جبکہ ہم ابھی اس کے ثبوت میں عبارتیں نقل کر چکے ہیں۔

پھلواروی صاحب اہلِ لغت کے حوالے سے فرماتے ہیں " لَوْلَاهُ یا لَوْلَاكَ یا لَوْلَایَ بہت ہی کم سنا گیا ہے "۔ پھر فرماتے ہیں " ایسی شاذ اور غیر فصیح زبان ہرگز اس پیغمبر کی زبان سے ادا نہیں ہوسکتی جو افصح العرب والعجم ہے "

میں عرض کروں گا کہ بہت ہی کم سہی لیکن اہلِ عرب سے اس کے مسموع ہونے کو تو بہر حال پھلواروی صاحب نے تسلیم کر لیا۔ جو اس کے صحیح اور درست ہونے کی دلیل ہے۔

رہا یہ امر کہ پھلواروی صاحب قلتِ سماع کی وجہ سے اسے غیر فصیح قرار دے کر فرما رہے ہیں کہ " ایسی شاذ اور غیر فصیح زبان ہرگز اس پیغمبر کی زبان سے ادا نہیں ہوسکتی جو افصح العرب والعجم ہے "۔ انتہائی حیرت انگیز، تعجب خیز بلکہ بے حد افسوسناک ہے۔ اگر کسی ترکیب کا قلیل الاستعمال ہونا اس کی فصاحت کے خلاف ہو تو وَمَا اَنْسٰنِیْهُ اور بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ میں دونوں ترکیبیں غیر فصیح قرار پائیں گی۔ کیونکہ اس قسم کی ترکیب میں ضمیر کا ضمہ ان آیتوں کے سوا قرآن مجید میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ نہ کسی حدیث میں اس کی مثال ملتی ہے۔ نہ کبھی اہلِ عرب نے ایسی ضمیر میں ضمہ استعمال کیا۔ کیا پھلواروی صاحب یہاں بھی کہیں گے

کہ ایسی شاذ اور غیر فصیح زبان ہرگز اس قرآن میں نہیں ہوسکتی جو اپنی فصاحت و بلاغت میں ایسا بے مثل ہے جس کی مثل ممکن ہی نہیں۔

علاوہ ازیں بہت ہی قلیل الاستعمال ترکیب کی بعض مثالیں حدیث میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے۔ "اَنْتَ اَبَا جَھْلٍ" (صحیح بخاری جلد ۵ صد ۹۵ طبع بیروت)

کون نہیں جانتا کہ اسماء ستہ مکبرہ مفردہ جب غیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب حالتِ رفعی میں واو، حالتِ نصبی میں الف اور حالتِ جری میں یا کے ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث اور لغتِ عرب میں استعمال کثیر یہی ہے اس کے مطابق حدیث میں "اَنْتَ اَبُوْ جَھْلٍ" ہونا چاہیئے تھا۔ مگر مستملی کے علاوہ بخاری کے تمام نسخوں میں "اَنْتَ اَبَا جَھْلٍ" مروی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے تحت فرمایا: قولہ ("اَنْتَ اَبَا جَھْلٍ") کذا! لِلْاَکْثَرِ وَلِلْمُسْتَمْلِي وَحْدَهٗ اَنْتَ اَبُوْ جَھْلٍ وَالْاَوَّلُ ھُوَ الْمُعْتَمَدُ"۔ یعنی صرف مستملی کے نسخے میں ابوجہل ہے۔ اس کے علاوہ بخاری کے سب نسخوں میں "انت ابا جہل" روایت کیا گیا ہے۔ اور یہی معتمد ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ صد ۲۳۵ طبع مصر) اور ظاہر ہے کہ یہ استعمال قلیل ہے۔ اس کی ایک مثال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول "وَلَوْ رَمَاهُ بِاَبَا قُبَیْسٍ" میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر قلتِ استعمال کو کسی ترکیب کے عدمِ جواز اور اس کے غیر فصیح ہونے کی دلیل مان لیا جائے۔ تو حدیث کی یہ ترکیب بھی ناجائز اور غیر فصیح ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام بھی غلط اور غیر فصیح قرار پائے گا اور یہ صراحتاً باطل ہے۔

بحمد اللہ روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ پھلواروی صاحب کا طعن محض بے جا ہے۔ اور صرف قلتِ استعمال کی وجہ سے کسی ترکیب کو نادرست اور غیر فصیح

قرار دینا علم و دانش کی روشنی میں ہرگز درست نہیں۔ حدیث فَوْدَاكَ کے معنے بالکل صحیح ہیں اور اس کی صحتِ ترکیب قطعًا بے غبار ہے۔

۳۹ انتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

"فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ"۔ "فِیْ دِیْنِنَا وَدُنْیَانَا"

پھلواروی صاحب نے دلائل الخیرات سے حسبِ ذیل دعا نقل کی:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ"

حزب البحر سے بھی "فِیْ دِیْنِنَا وَدُنْیَانَا" کے الفاظ نقل کئے۔ دعا کے ان الفاظ کو ترکِ دنیا اور رہبانیت پر محمول کیا۔ دلائل الخیرات کے مؤلف، یا ناقل کو ناعاقل قرار دیا اور ان، اکابرِ امت کے خلاف خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور اس دعا پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: "دنیا کے مقابلے میں آخرت ہے یعنی اس جہاں کی زندگی، اور آنیوالے جہاں کی زندگی رہا دین تو وہ دنیا کے مقابلے میں یا دنیا سے الگ کوئی شے نہیں یہ آخرت کے مقابلے میں بھی کوئی چیز نہیں۔ اسی موجودہ زندگی میں اور دنیا ہی کے اندر ہوتا ہے یہی دنیاوی زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق بسر کرنے کا نام ہے۔ "دین" دنیا سے ہٹ کر یا دنیا کو چھوڑ کر زندگی بسر کرنا کوئی دین نہیں"

(انتہٰی)

میں عرض کروں گا دلائل الخیرات یا حزب البحر میں دین اور دنیا کا لفظ تو ضرور آیا ہے۔ لیکن یہ کہیں نہیں آیا کہ دنیا سے ہٹ کر یا دنیا کو چھوڑ کر زندگی بسر کرنا دین ہے۔ نہ دلائل الخیرات اور حزب البحر میں یہ کہا کہ اللہ کی مرضی کے مطابق دنیا کی زندگی بسر کرنا دین نہیں۔

رضاءِ الٰہی کے مطابق دنیاوی زندگی بسر کرنے کے معنیٰ یہ ہیں ۔کہ ہم اپنی دنیا کی ہر چیز رضاءِ الٰہی کے تابع کر دیں ۔دنیا تابع ہو اور رضاءِ الٰہی متبوع ۔تابع ۔متبوع کا ہمیشہ غیر ہوتا ہے ۔اگر دین و دنیا میں کوئی مغائرت ہی نہ ہو تو اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا مفہوم ہی نہیں رہتا۔ہمیں جس چیز کو رضاءِ الٰہی کے تابع کرنا ہے ۔وہی دنیا ہے اور رضاءِ الٰہی کے تابع کرنا دین ہے ۔اور اپنے تشخص میں یہ دونوں چیزیں جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں ۔خلاصہ یہ کہ ہمارا مال اور ہماری اولاد دنیا ہے ۔جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا " (پ۱۵ الکہف آیت ۴۶) اور اپنے مال کو رضاءِ الٰہی کے مطابق خرچ کرنا ۔اور رضاءِ الٰہی کے مطابق اولاد کی پرورش کرنا دین ہے ۔اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ ہم اپنی دنیا یعنی مال و اولاد کے حق میں تجھ سے عفو و عافیت کے طالب ہیں کہ وہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں اور جب تیری رضا کے مطابق ہم اپنا مال خرچ کریں اور اپنی اولاد کی تربیت کریں تو ہماری یہ نیکی بھی ضائع نہ ہونے پائے ۔تاکہ آخرت میں ہم اس کے ثواب سے محروم نہ ہو جائیں ۔یہ مفہوم ہے "فِیْ دِیْنِنَا وَدُنْیَانَا "اور فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ کا ۔

تبائیے ! اس میں کون سی غلطی ہے ؟ اسے غلطی کہنا دلائل الخیرات اور حزب البحر اوراد کا ورد کرنے والے صلحاءِ امت کے خلاف عناد ظاہر کرنا نہیں تو اور کیا ہے ؟
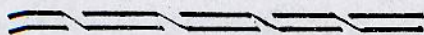
چالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

"صلوٰۃِ معکوس"

اسی ضمن میں پھلواروی نے رہبانیت کا ذکر کرتے ہوئے درپردہ حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذاق اڑایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ فلاں بزرگ بارہ سال تک اُلٹے لٹکے رہے اور صلوٰۃ معکوس ادا کرتے رہے۔ استغفراللہ۔ اس قسم کی راہبانہ زندگی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ سب بزرگوں پر اتہام ہے۔ اور اگر فی الواقع کسی نے ایسا کیا ہے تو اس نے صحیح کام نہیں کیا۔ وہ طہارت و وضو کیسے کرتا رہا۔ نماز کس طرح ادا کرتا رہا۔ جماعت میں کیونکر شریک ہوتا رہا۔ بال بچوں یا پڑوسیوں کا کیا حق ادا کرتا رہا۔" (صہ۲۴)

معلوم نہیں پھلواروی صاحب نے بارہ سال تک صلوٰۃِ معکوس پڑھنے کا قصّہ کہاں سے سُن لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرتِ باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محض بطور ریاضت، اصلاحِ نفس کے لئے صرف چالیس رات، عشاء کے بعد صبح یعنی تہجد تک چند گھنٹوں کے لئے کنواں میں اُلٹا لٹکنے کی مشقت اختیار فرمائی (اخبار الاخیار فارسی صہ۵۳ طبع مجتبائی۔ از شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی) جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ نفس کی سرکشی دور ہو۔ اور وہ رضائے الٰہی کی خاطر مشقت و تکلیف برداشت کرنے کا عادی ہو جائے۔ اس موقع پر پھلواروی صاحب نے طہارت، وضو، نماز، جماعت، ادائیگی حقوق وغیرہ کا ذکر کر کے جو شکوک و شبہات وارد کئے ہیں، سب بے محل اور لایعنی ہیں۔ کیونکہ چند گھنٹے کی اس ریاضت کے دوران نہ کسی نماز کا وقت آتا تھا نہ رفعِ حاجت کی ضروریات پیش

آنے کا کوئی موقع ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس کام میں رضاءِ الٰہی کے حصول کا مقصد شامل ہو وہ توجہ اِلیٰ اللہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

مؤمن کی نماز خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے اس ریاضت کو اگر کسی نے "صلوٰۃِ معکوس" سے تعبیر کر دیا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا یہ عمل ارکانِ صلوٰۃ پر مشتمل تھا۔ بلکہ خشوع و خضوع اور خشیت الٰہیہ کی بناء پر اسے صلوٰۃِ معکوس کہہ دیا گیا۔ یہ عمل کوئی عبادت مقصودہ نہ تھا جس کی بناء پر احداث فی الدین کا الزام حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر عائد کیا جا سکے۔ بلکہ ایک روحانی علاج تھا۔ معالجین بطور علاج مریضوں کو اس قسم کی ورزش بتاتے ہیں کہ کچھ دیر پاؤں اوپر اٹھائے رکھیں۔ بتقاضائے کمالِ عبدیت مشقت برداشت کرنا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل مبارک ہے۔ رات کو کھڑے کھڑے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے تھے۔

(بخاری ۱/ص۱۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی سرزد ہو گئی تھی جس کا ازالہ صرف توبہ اور استغفار سے بھی ہو سکتا تھا۔ مگر حضرتِ ابولبابہ نے اپنے نفس کو غلطی کی سزا دینے کے لئے اپنے آپ کو زنجیر کے ساتھ ستون سے باندھ دیا۔ ساتھ ہی یہ قسم بھی کھالی کہ میں نہ کچھ کھاؤں گا نہ کچھ پیؤں گا۔ تاوقتیکہ میری غلطی معاف نہ ہو جائے۔ چنانچہ زنجیر کے ساتھ وہ مسلسل سات دن تک بندھے رہے پیشاب وغیرہ اور نماز کے لئے ان کی بیٹی ان کی زنجیر کھول دیتی تھی۔ فراغت کے بعد وہ پھر بدستور اپنے آپ کو زنجیر کے ساتھ ستون سے باندھ دیتے تھے، سات دن تک انہوں نے کچھ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ جب انہیں نماز کے لئے کھولا گیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی

توبہ قبول فرمائی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کی توبہ قبول ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں خود اپنے آپ کو نہ کھولوں گا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاکر مجھے نہ کھولیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور انہیں اپنے دستِ مبارک سے کھولا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۵ صہ ۲۸۴، صہ ۲۸۵ طبع تہران)

نگران کے مسلسل بندھے رہنے اور طویل مشقت پر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر انکار نہ فرمایا۔ ثابت ہوا کہ اصلاح نفس کے لئے بطورِ علاج اس قسم کی مشقت اٹھانا اور تکلیف جھیلنا بلاشبہ جائز ہے۔

ناظرین پر واضح ہوگیا ہو گا کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ چلّہ معکوس شرعاً وعقلاً بے غبار ہے۔ اور پھلواروی نے اس پر جو شکوک وشبہات وارد کئے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔

خرقِ عادت یا غرقِ عادت

یہ وہ عنوان ہے جس پر پھلواروی صاحب نے اپنے اس مضمون کا اختتام فرمایا ہے۔ اللہ والوں کے خلاف وظائف واعمال کے بہانے زہر افشانی میں انہوں نے پہلے ہی کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ لیکن اس عنوان کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان کا سینہ عداوتِ اولیاء کا گنجینہ ہے۔ معجزات وکرامات اور اہل اللہ کے خوارقِ عادات کی توہین وتضحیک میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی خوارقِ انبیاء، اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کتاب وسنت میں اس کثرت اور وضاحت کے ساتھ وارد ہے۔ کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی اس میں متردد نہیں ہوسکتا۔ معجزہ صدقِ نبوت کی دلیل ہے اور کرامت ولی کی بزرگی کا نشان۔ جس کی نظر میں نبی، ولی کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک معجزہ اور کرامت کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟

بے شک معجزہ فضیلت ہے لیکن نبی کی افضلیت کا معیار نہیں۔ اسی طرح کرامت بھی بزرگی ہے۔ مگر بزرگی کا مدار نہیں۔ معجزہ کا صدور غیر نبی سے نہیں ہو سکتا۔ کرامت کا ظہور بھی صرف ولی سے ہوتا ہے۔ اس لئے معجزہ ہو یا کرامت مسلمان دونوں کی حرمت و عظمت کا قائل ہے۔

حضراتِ انبیائے کرام اور اولیاءِ عظام کے خوارق عادات کو ان کی حرمت و فضیلت کے معنیٰ سے خالی سمجھنا مسلمان کی فہم نہیں۔ لفظِ کرامت کے معنیٰ ہی بزرگی ہیں۔ پھر اسے بزرگی سے غیر متعلق سمجھنا کیوں کر صحیح ہو گا؟

اکتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

کرامت کو قے کہنے کا مطلب

اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ کسی بزرگ نے کرامت کو قے کہا ہے تو یہ قول محض بطورِ استعارہ ہو گا۔ یعنی اظہارِ کرامت اس طرح مکروہ اور ناپسندیدہ ہے جس طرح قے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ پھلواروی صاحب کا کرامت کو حقیقتاً قے سمجھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کسی بہادر انسان کو دیکھنے والا رَأَیْتُ اَسَدًا کہے اور سننے والا، اسد کے معنے درندہ سمجھ لے۔ اس میں شک نہیں کہ اہل اللہ نے اظہارِ کرامت کو ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔

٤٢
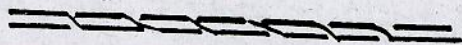
بیالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

سادھو سے کرامت کا ظہور

کرامت صرف ولی سے ظاہر ہوتی ہے۔ پھلواروی صاحب کراماتِ اولیاء کے منکر ہونے کے باوجود سادھو سے بھی ظہورِ کرامت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے فرمایا۔ "کرامت کی وساطت سے جو ارادتِ ایمانی پیدا ہوتی ہے وہ مستحکم نہیں ہوتی۔ آج اگر ایک مسلمان بزرگ کی دو کرامتیں دیکھ کر کوئی معتقد ہوگا تو کل وہی کسی سادھو کی چار کرامتیں دیکھ کر اس کا دم بھرنے لگے گا۔" (ص ۳۰) — کرامتیں اگر سادھو سے بھی ظاہر ہو سکتی ہیں تو پھر ان کے کرامت ہونے کا کیا مفہوم رہا؟ — دراصل پھلواروی صاحب یہی کہنا چاہتے ہیں کہ کرامت لغو اور بے معنٰی ہے!

٤٣

تینتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

حضرت یحییٰ منیری کے قول کی وضاحت

پھلواروی صاحب لکھتے ہیں: "دنیا کرامات کی پجاری ہے۔ مگر خود مخدوم الملک کرامت کو بت پرستی قرار دیتے ہیں۔ جی ہاں صاف لفظوں میں بت پرستی فرماتے ہیں۔ وہ کرامات کو انسانی سطح سے بہت گری ہوئی اور گھٹیا چیز قرار دیتے ہیں۔ مخدوم الملک کی ایک مسجع عبارت سنیئے۔ فرماتے ہیں: گر بر آب روی خسی وگر بر ہوا پری مگسی آں کار بکن کہ گویند کسی" (ص ۲۸) انتہیٰ۔

سلف صالحین سے لے کر آج تک کتاب و سنت کے مطابق یہی عقیدہ ہے کہ اولیاء کی کرامتیں حق ہیں۔ اس اعتقاد کو کرامت کی پوجا کہنا پوری امت مسلمہ کو مشرک قرار دینے کے مترادف ہے۔ العیاذ باللہ۔ مخدوم الملک حضرت احمد یحییٰ منیری کا مسجع کلام جو پھلواروی صاحب نے نقل کیا ہے۔ اس کے کسی ایک لفظ کا بھی یہ مفہوم نہیں کہ کرامت بت پرستی ہے۔ وہ تو صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ خوارقِ عادات کا ظہور (مثلاً پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا۔ سالکِ راہِ معرفت کے لئے منتہائے کمال نہیں۔ یہ تو ایسی باتیں ہیں جو تنکے اور مکھی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ انسانیت کا کمال تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے قرب و معرفت کا وہ مقام حاصل کرے جسے وصول الی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

غرقِ عادت کی اصطلاح

خرقِ عادت کی اصطلاح تو متقدمین اسلافِ کرام سے منقول ہوتی چلی آرہی ہے۔ لیکن غرقِ عادت کا لفظ کبھی سننے میں نہیں آیا۔ یہ صرف پھلواروی صاحب کی اختراع ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ خرقِ عادت کے مقابلے میں غرقِ عادت کا لفظ انہوں نے کیوں بولا۔ لیکن ہم اب تک یہ نہ سمجھ سکے کہ اس لفظ سے ان کی کیا مُراد ہے؟ اگر امورِ عادیہ مراد ہیں تو غرقِ عادت سے ان کا کیا تعلق؟ ایسی صورت میں وہ عادت اور خرقِ عادت بولتے۔ غرقِ عادت کا لفظ تو اس مقام پر قطعاً بے معنیٰ اور مہمل ہے

معجزہ و کرامت اسباب سے متعلق نہیں ہوتے۔

ہم نے مانا کہ اسبابِ عادیہ ظاہرہ کے علاوہ اسبابِ خفیہ بھی ہوتے ہیں لیکن،

محققین سلفِ صالحین کا مسلک یہی ہے کہ خوارقِ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یعنی معجزات و کرامات جس طرح اسبابِ عادیہ ظاہرہ سے متعلق نہیں ہوتے بالکل اسی طرح ان کا تعلق اسبابِ خفیہ سے بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر قسم کے اسباب کے بغیر اللہ تعالیٰ انہیں ظاہر فرماتا ہے۔ اور یہی خرقِ عادت ہے۔

۴۴ چونتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

خرقِ عادت کو ناممکن کہنا

اہل اللہ کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے پھلواروی صاحب فرماتے ہیں:
"خرقِ عادت ممکن ہی نہیں۔ قانونِ قدرت اٹل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔" لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا۔"
(انتہیٰ کلامُہٗ)

پھلواروی صاحب نے اس حقیقت کو بھی نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا خارقِ عادت فعل جو نبی کی تصدیق کے لئے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوا معجزہ کہلاتا ہے (دیکھئے۔ شرح مواقف جلد ۸ صد ۲۲۳-۲۲۴ طبع مصر) ولی کی کرامت بھی اس کے نبی کا معجزہ ہوتی ہے۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ جو خرقِ عادت کے طور پر ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لئے اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ دونوں خارقِ عادت فعل اللہ تعالےٰ کے ہیں۔ پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ "خرقِ عادت ممکن ہی نہیں" معجزات و کرامات کی نفی صریح ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہاں انتہائی افسوس ناک اور غارت گرِ ایماں پہلو یہ ہے کہ خرقِ عادت کو ناممکن کہہ کر اللہ تعالےٰ کی قدرت کا بھی انکار کر دیا گیا۔ بندے کے کسی فعل کو ناممکن کہہ سکتے ہیں

لیکن اللہ تعالےٰ کے فعلِ واقعی کو ناممکن کہنا بندے کے لئے ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ خرقِ عادت کام اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

قانونِ قدرت یقیناً اٹل ہے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ لیکن کس کی طرف سے؟ یہی ہمارا ایمان ہے کہ بندوں کی طرف سے تبدیلی ناممکن ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو اپنے قانون کو بتقاضائے حکمت بدل سکتا ہے۔ وہ قانون عام ہو یا خاص۔ کیونکہ قانون بنانے والا اپنے قانون کو بدلنے کا حق رکھتا ہے۔

پینتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

قدرتِ خداوندی کا انکار

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "انسان نئے نئے قوانین دریافت تو کرتا ہے بناتا نہیں۔ اور جب بناتا نہیں توڑ بھی نہیں سکتا۔" انتہیٰ کلامہٗ

میں عرض کروں گا کہ اہل اللہ کے خوارقِ عادات کے ضمن میں ان کی یہ بات بالکل بے محل ہے۔ قوانینِ فطرت اہل اللہ نے نہ بنائے ہیں۔ نہ انہیں کبھی توڑا ہے۔ نہ وہ توڑ سکتے ہیں۔ ان کا بنانے والا صرف اللہ ہے۔ اور جس چیز کو وہ بنا سکتا ہے اسے توڑ بھی سکتا ہے، یہی خرقِ عادت ہے۔ جسے پھلواروی صاحب ناممکن کہہ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کر رہے ہیں۔

۴۶
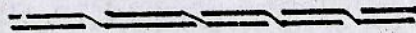
چھیالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

معجزات و کرامات کو نظر بندی کہنا

معجزات و کرامات کے ضمن میں پھلواروی صاحب کا اسبابِ خفیہ کا ذکر کر کے بازی گر، جادوگر، ہپناٹزم کے تماشوں کا ذکر کرنا محض یہ تاثر دینے کے لئے ہے کہ اہل اللہ کے خوارقِ عادات معجزات و کرامات سب اسی نوعیت کے ہیں۔ حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ سب افعالِ الٰہیہ ہیں۔ ان کا ظہور من جانب اللہ ہوتا ہے جادو اور بازی گری سے ان کا کیا تعلق ؟

پھلواروی صاحب کی یہ تحریر دراصل ان کے اسی بغض و عناد کا اظہار ہے جس کا مظاہرہ وہ ابتداء سے کرتے چلے آرہے ہیں۔

۴۷

سینتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

کرامت کو لا اکراہ فی الدین کے منافی کہنا

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں : "کرامت یا خرق عادت ایک قسم کا دباؤ ہے۔ جسے دیکھ کر انسان ڈر سا جاتا ہے۔ اور بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ کسی حد تک لا اکراہ فی الدین کے منافی ہے" انتہیٰ کلامہٗ

اس عبارت سے پھلواروی صاحب کا ما فی الضمیر کھل کر سامنے آگیا کہ وہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں اور خوارقِ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو ایک قسم کا دباؤ قرار دے رہے ہیں۔ جسے دیکھ کر انسان ڈر سا جاتا ہے اور بات ماننے پر مجبور

سا ہو جاتا ہے۔

جن آیات قدرت کو دیکھ کر انسان کو خوف لاحق ہو پھلواروی صاحب انہیں لااکراہ فی الدین کے منافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سنت الٰہیہ یہی ہے کہ معجزات و خوارق عادات کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جائے۔ قرآن مجید کی جو آیت پھلواروی صاحب کے ذہن کو جھنجوڑ رہی ہے اس کے آخری الفاظ میں ارشاد فرمایا:

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا (پ ۱۵ الاسراء آیت نمبر ۵۹) یعنی ہم نشانیاں اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھ کر ڈریں۔

اگر یہ لااکراہ فی الدین کے خلاف ہے تو کیا پھلواروی صاحب کے نزدیک قرآن میں تعارض بھی پایا جاتا ہے؟ — خوارق عادات سے لوگوں کا ڈر محسوس کرنا لااکراہ فی الدین کے منافی ہوتا تو انبیاء علیہم السلام صرف مُبَشِّر ہوتے مُنْذِرُ و نَذِیْر کبھی نہ ہوتے۔ پھلواروی صاحب جو سنت الٰہیہ کی آڑ لے کر خوارق عادات، کے منکر ہیں۔ کاش اس حقیقت پر غور فرماتے کہ آیات و معجزات کے ذریعے لوگوں کو ڈرانا سنت الٰہیہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی آیت قرآنیہ سے ثابت کیا — نبوت ختم ہونے کے ساتھ معجزات کا سلسلہ تو ختم ہو گیا لیکن اللہ کی نشانیوں کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ بلکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ ایک مرتبہ سورج گرہن کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ "هٰذِهِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیٰوتِهٖ وَلٰكِنْ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ" الحدیث۔ یہ قدرت کی نشانیاں جنہیں اللہ بھیجتا ہے کسی کی موت یا پیدائش کے لئے نہیں ہوتیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔

بخاری مسلم مشکوٰۃ صد ۱۳۰ طبع دہلی)

ناظرین کرام! غور فرمائیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں پھلواروی صاحب کی یہ بات باطل محض نہیں تو کیا ہے؟

۴۸ اڑتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

کھلی تضاد بیانی

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ قانونِ قدرت کو توڑ کر کرامت پیدا کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا۔"

(انتہیٰ کلامہٗ)

پھلواروی صاحب اپنی اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قانونِ قدرت، توڑ کر۔ کرامت پیدا کرنے کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ختم کر دیا۔ انتہائی حیرت کا مقام ہے۔ کہ قانونِ قدرت کا توڑنا تو ممکن ہی نہیں۔ پھلواروی صاحب نے تو اسے اللہ تعالےٰ کے لئے بھی ناممکن قرار دیا ہے۔ پھر اس سلسلے کو ختم کرنا کیا معنےٰ رکھتا ہے؟ کیا یہ پھلواروی صاحب کی کھلی تضاد بیانی نہیں؟

۴۹ انچاسواں اعتراض اور اس کا جواب

امورِ عادیہ کو خوارقِ عادات کہنا

اس کے بعد پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "اور جو معجزہ ظاہر ہوا۔ وہ

کم اسباب کے اندر رہ کر اور قانونِ قدرت سے ہم آہنگ رہ کر ظاہر ہو!"
(انتہیٰ کلامہٗ)

میں عرض کروں گا کہ جو کام خارقِ عادت نہ ہوں۔ اور وہ اسباب میں رہ کر ظاہر ہوں۔ انہیں معجزہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ — پھلواروی صاحب نے یہ بات کہہ کر گویا معجزے کی بنیاد ہی اکھاڑ دی۔ ہم شرحِ مواقف کے حوالے سے ابھی بتا چکے ہیں کہ معجزہ خارقِ عادت امر ہے جو اللہ تعالےٰ کا فعل ہے اسی کی طرف سے صدقِ نبوّت کی دلیل کے طور پر نبی سے ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل پھلواروی صاحب کا مقصد ہی یہ ہے کہ معجزات اور خوارقِ عادات کا تصور مسلمان کے ذہن سے نکال دیں۔

۵۰ پچاسواں اعتراض اور اس کا جواب

تختِ سلیمانی کو ہوا اڑاتی تھی

اس مقام پر پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ "حضرت سلیمان کے تخت کو جن لے کر سفر کراتے تھے۔" قرآن کے خلاف ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ شیاطین اور جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تھے۔ لیکن حضرتِ سلیمان کے تخت کو لے کر ان کا سفر کرانا صحیح نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ" (پ ۲۳ ص آیت نمبر ۳۶) یعنی "ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی۔ وہ ان کے حکم کے ساتھ نرم روی سے چلتی جہاں وہ ارادہ فرماتے۔"

یہاں جنّوں کا نہیں بلکہ ہوا کا ذکر ہے کہ سلیمان علیہ السلام جہاں چاہتے

تھے۔ ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی یعنی ان کے تخت کو لے جاتی تھی۔
اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ معجزات میں انبیاء علیہم السلام کے حکم اور ارادے کا پایا جانا بھی قرآن کے خلاف نہیں بلکہ قرآن سے ثابت ہے

معجزہ و کرامت مقدورِ نبی و ولی ہوتے ہیں

یہ صحیح ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصد و التفات کے بغیر بھی ان سے خوارقِ عادات کا صدور ناممکن نہ تھا۔ بناءبریں اہل اللہ کے لئے خوارق عادات کا اظہار ممکن اور تحت قدرتِ الٰہیہ ہے ورنہ قادرِ مطلق کا عجز لازم آئے گا۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

معجزہ ہو یا کرامت دراصل خرقِ عادت کے طور پر وہ اللہ تعالٰی ہی کا کام ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ معجزہ کی شرط یہ ہے کہ وہ نبی کے تحتِ قدرت نہ ہو۔ اور بعض نے کہا کہ یہ شرط بے معنیٰ ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ نبی معجزے پر قدرت رکھتا ہو۔ مگر یہ اختلاف محض نزاعِ لفظی ہے۔ کیونکہ خرقِ عادت کام کی جو قدرت اللہ تعالٰی نے نبی کو عطا فرمائی۔ جو لوگ اسی قدرت کو معجزہ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک معجزہ نبی کا مقدور نہیں۔ کیونکہ خرقِ عادت کی اس قدرت پر نبی قادر نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں نے اس فعلِ خارق للعادۃ کو معجزہ کہا جو اس قدرتِ معجزہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ انہوں نے معجزے کا نبی کے لئے مقدور ہونا تسلیم کیا۔

خلاصہ یہ کہ جنہوں نے خرقِ عادت کی قدرت کو معجزہ قرار دیا۔ وہ خارقِ عادت فعل کو حقیقتاً معجزہ نہیں کہتے۔ ہاں ان کے نزدیک وہ مجازاً معجزہ ہے اور جن لوگوں نے قدرت کی بجائے اس خارق للعادۃ فعل کو معجزہ کہا۔ ان کے

نزدیک وہ فعل حقیقتاً معجزہ ہے اور وہ نبی کا مقدور ہے۔ یعنی نبی میں قدرت معجزہ کا انکار کسی نے نہیں کیا فرق اتنا ہے کہ کسی نے عینِ قدرت کو معجزہ کہا جو نبی کی مقدور نہیں۔ اور کسی نے اس قدرت کی وجہ سے خارق عادت فعل کو معجزہ کہا۔ جو قدرتِ معجزہ کی وجہ سے نبی کا مقدور ہے۔ ملخصاً۔ شرح مواقف جلد ۸ صد ۲۲۳-۲۲۴ طبع مصر)

بہر حال معجزہ دراصل اللہ تعالےٰ ہی کا فعل ہے۔ اور اسی کی جانب سے ہے۔ خواہ وہ قدرتِ معجزہ ہو یا فعلِ خارق للعادۃ۔ اور اسے اللہ تعالےٰ کے لئے ناممکن کہنا اللہ تعالےٰ کی قدرت کا انکار کرنا ہے۔ یہ بحث افعال خارقہ للعادۃ سے متعلق تھی، رہا قرآن کریم تو یقیناً وہ معجزہ ہے ایسا دائمی اور ابدی معجزہ جو بقیہ معجزات کو حاوی ہے۔ بلکہ انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات پر بھی مشتمل، لیکن وہ فعل نہیں، اللہ کا کلام قدیم ہے۔ اس لئے وہ افعال خارقہ للعادۃ کے حکم سے بالاتر ہے۔ مختصر یہ کہ ہم نے قرآن سے ثابت کر دیا کہ پھلواروی صاحب کا یہ قول غلط ہے۔ کہ "حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو جن لے کر سفر کراتے تھے۔"

۵۱
اکیاونواں اعتراض اور اس کا جواب

تختِ بلقیس کو اٹھا لانے والا

اس مقام پر پھلواروی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ "حضرت سلیمان نے چشمِ زدن میں جنوں سے بلقیس کا تخت منگوایا۔" قرآنِ مجید میں ہے:۔ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۔"

(پ ۱۹ النمل آیت نمبر ۳۹) یہ بات قوی ہیکل خبیث جن نے کہی تھی کہ آپ کے دربار برخواست کرنے سے پہلے بلقیس کا تخت میں آپ کے پاس لے آؤں گا. اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ. جس کے پاس کتاب کا علم تھا. وہ بولا آپ کی پل جھپکنے سے پہلے وہ تخت میں آپ کے پاس لے آؤں گا. (پ ۱۹ النمل آیت نمبر ۴۰) جمہور مفسرین کے نزدیک وہ آصف بن برخیا ہیں جو انسان تھے. بعض نے کہا کہ وہ حضرتِ خضر علیہ السلام تھے. بعض اقوال میں دوسرے انسانوں کا ذکر وارد ہے. ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے. ایک قول کے مطابق وہ جبریل علیہ السلام تھے. لیکن پل جھپکنے سے پہلے تخت لانے کی بات کسی "جن" نے نہیں کی. بالفرض کسی قول شاذ میں "جن" کا لفظ آیا بھی ہو جو ہماری نظر سے نہیں گزرا. تو قول شاذ پھلواروی صاحب کے نزدیک پہلے ہی ناقابلِ قبول ہے. پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کس بنا پر یہ بات کہہ دی کہ حضرت سلیمان نے چشمِ زدن میں جنوں سے بلقیس کا تخت منگوایا.

۵۲/ باونواں اعتراض اور اس کا جواب

عادی امور کو معجزات بتانا صحیح نہیں

پھلواروی صاحب نے اس مقام پر بعض سابقین انبیاء و مقربین کے خوارقِ معجزات و کرامات کے بالمقابل جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند امورِ عادیہ کو معجزہ قرار دے کر نقل کیا ہے. انتہائی مضحکہ خیز ہے. ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وفعل، ہر ادا، ہر حال اور ہر کام قیامت تک بنی نوعِ انسان کے لئے مشعلِ ہدیٰ اور مینارِ ہدایت ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امورِ عادیہ کو معجزات کی جگہ لکھ دیا جائے پھلواروی صاحب کا یہ طرزِ عمل علم ودانش کی روشنی میں لایعنی اور بے محل ہے۔

۵۳ ترپنواں اعتراض اور اس کا جواب

وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ کا مفہوم

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی ایک آیت میرے دماغ کو اکثر جھنجوڑتی رہتی ہے۔ جو یہ ہے۔ وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیَاتِ اِلَّا اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ۔ ہمیں معجزات بھیجنے سے صرف اسی بات نے روک دیا ہے کہ گذشتہ امتوں نے ان کی تکذیب کی۔ ایک شے کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود جھٹلانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور اسے من جانب اللہ سمجھنے کے بجائے کھیل تماشہ بازی گری جادو اور نظر بندی وغیرہ سمجھتے ہیں (انتہیٰ کلامہٗ)

میں عرض کروں گا کہ آیت نہیں بلکہ اس کا غلط مفہوم پھلواروی صاحب کے ذہن کو اکثر جھنجوڑتا رہتا ہے۔ مضمونِ آیت بالکل واضح ہے کہ قریشِ مکہ جن معجزات کو طلب کر رہے ہیں۔ اگر ہم انہیں ظاہر فرما دیں تو جس طرح پہلے لوگ اس قسم کے معجزات کا انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ یہ لوگ بھی انکار کر کے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں گے طلب کردہ معجزات وآیات ہم نے صرف اس لئے نہیں بھیجے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ انہیں دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور مکذبین

اولین کی طرح یہ لوگ، ہلاکت و عذاب کے مستوجب قرار پائیں گے مطلوبہ آیات کو دیکھنے کے بعد ان کا انکار کرنے والوں کو اپنے عذاب میں ہلاک کر دینا ہماری سنت ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں انہیں عذاب عام میں مبتلا کر کے ہلاک کریں۔ بس یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کی مطلوبہ آیات نہیں بھیجیں۔

آیت کریمہ کے اس واضح مفہوم میں کوئی ایسی بات ہی نہیں۔ جو ذہن کو جھنجوڑنے والی ہو۔ ایک شے کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود جھٹلانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ لیکن پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ وہ اسے من جانب اللہ سمجھنے کے بجائے کھیل تماشہ بازی گری جادو اور نظر بندی وغیرہ سمجھتے رہے۔ صحیح نہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے ان معجزات کو من جانب اللہ سمجھنے کے باوجود محض ازراہِ عناد، سحر یا نظر بندی کہا ہو۔ اور حق کی معرفت کے باوجود تمرد اور سرکشی اختیار کر کے اپنے کفر پر جمے رہے ہوں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انکار کرنے والوں نے حق کو پہچان کر بھی اس کے ماننے سے انکار کر دیا۔ جان بوجھ کر حق کو چھپایا۔ اور حق کو پہچان کر اس کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ" جب ان کے پاس جانا پہچانا حق آگیا تو اس کے ساتھ انہوں نے کفر کیا۔ (پ البقرہ آیت نمبر ۸۹) نیز فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے۔ (پ البقرہ آیت نمبر ۱۴۶)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ معاندین کفار نے حق کو جاننے اور پہچاننے کے بعد بھی حق کا انکار کیا اور از راہِ عناد اپنے کفر پہ جمے رہے۔ لہٰذا پھلواروی صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں۔

۵۴
چوّنواں اعتراض اور اس کا جواب

معجزات کو وقتی کہنا نافہمی ہے

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "گزشتہ سارے معجزات وقتی تھے۔ منکرین نے ان کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی قبولِ حق سے انکار کر دیا" انتہیٰ۔

پھلواروی صاحب کی تضاد بیانی انتہائی تعجب انگیز ہے۔ کبھی وہ خرقِ عادت کو ناممکن کہہ کر معجزات کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور کبھی ان کو وقتی معجزات کہہ دیتے ہیں۔ معجزات تو درکنار، اگر وہ پچھلے نبیوں کو بھی محض وقتی انبیاء کہہ دیں تو کون انہیں روکے گا؟ نبی کی نبوّت کبھی زائل نہیں ہوتی۔ وہ ابد تک ہمہ وقتی ہے۔ ان کے معجزات کو محض وقتی کہنا نافہمی ہے۔

۵۵
پچپنواں اعتراض اور اس کا جواب

قرآن حقانیتِ معجزاتِ انبیاء کا امین ہے

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "آج اگر کوئی ان معجزات کے وجود یا وقوع ہی سے انکار کر دے اور یہ دعویٰ کرے کہ سب من گھڑت افسانے ہیں۔ یہ کبھی وقوع میں آئے ہی نہیں تو ہم ان کے وجود کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ لیکن قرآن کے

زندہ و پائندہ اعجاز سے کسی دور میں بھی انکار کی گنجائش نہیں " انتہیٰ

میں عرض کروں گا۔ آپ مانتے ہیں کہ قرآن کے زندہ و پائندہ اعجاز سے کسی دور میں بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ اسی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو بیان فرما کر انہیں زندہ و پائندہ کر دیا۔ کسی دور میں بھی قرآنی اعجاز کے انکار کی گنجائش نہ ہونا ان معجزات کے انکار کی گنجائش نہ ہونے کو مستلزم ہے جب بھی کوئی دعوےٰ کرے گا کہ یہ سب افسانے ہیں۔ یہ کبھی وقوع میں آئے ہی نہیں۔ ہم اسی وقت ان کے وجود اور وقوع کو قرآن سے ثابت کریں گے۔

ہر مطالبے کا استیفاء

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: "میں نے جن غلطیوں کی نشان دہی کی ہے وہ اگر لغوی ہیں۔ لغت ہی سے اس کا جواب دینا چاہیئے۔ صرف و نحو کی بات ہے تو صرف صرف و نحو ہی کے قواعد سے اس کی تردید کرنی چاہیئے۔ فکری معاملہ ہے تو فکری ہی انداز سے اس کو غلط ثابت کرنا چاہیئے۔ میری گذارشوں کا یہ جواب نہیں کہ فلاں صاحب علم بزرگ نے تو ان غلطیوں کی نشاندہی کی نہیں لہٰذا تمہاری نشان دہی غلط ہے" (صد ۱۶)

پھلواروی صاحب کے اس مطالبے کو حرف بحرف ہم نے پورا کر دیا۔ ہم نے ان کے جواب میں اس بات پر اکتفا نہیں کیا کہ فلاں صاحب علم بزرگ نے ان غلطیوں کی نشان دہی نہیں کی۔ لہٰذا پھلواروی صاحب کی نشاندہی غلط ہے بلکہ پھلواروی صاحب نے جن لغوی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ ہم نے لغت ہی سے ان کا جواب دیا ہے۔ اور صرف و نحو کی بات کی تردید ہم نے صرف و نحو ہی

کے قواعد سے کی ہے اور ان کی فکری غلطیوں کا جواب فکری ہی انداز سے دیا ہے ـــــ

پھلواروی صاحب کے اعتراضات کا خلاصہ ہم نے اپنے الفاظ میں پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان کا ہر اعتراض انہی کی عبارت میں نقل کر دیا ہے اور ان کے مدلل جوابات لکھ دیئے ہیں۔ علم و دانش اور عدل و انصاف کی روشنی میں ناظرین کرام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ پھلواروی صاحب نے جو غلطیاں درود تاج اور دیگر وظائف میں نکالی ہیں۔ درحقیقت وہ درود تاج وغیرہ کی غلطیاں نہیں۔ بلکہ خود ان کی اپنی غلطیاں ہیں۔ اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کہا وہی درست ہے۔ اسی لئے انہوں نے آگے چل کر صاف کہہ دیا کہ "ہمارے لئے آسان راستہ یہ ہے کہ درود تاج کے متعلق یہ مان لیں کہ ایسی بے سر و پا عبارت کے مصنف حضرت شاذلی نہیں ہو سکتے۔"

ناظرین کرام کو یاد ہو گا کہ پھلواروی صاحب نے اس مضمون کی ابتداء ان الفاظ سے کی تھی "درود تاج کے بعض مقامات مجھے کھٹکتے ہیں علمائے کرام سے کچھ طالب العلمانہ استفسار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اپنی علمی بے بضاعتی کا مجھے اقرار بھی ہے۔ اور پورا احساس بھی" (صـ۷) مگر ان کے مضمون کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ طالب علمانہ استفسار اور اپنی علمی بے بضاعتی کا احساس و اقرار۔ محض ایک لبادہ ہے جو اس مقام پر پہنچ کر اچانک اتر گیا۔ اور حقیقت واضح ہو گئی کہ استفسار مطلوب نہ تھا۔ بلکہ یہ منوانا مقصود تھا کہ درود تاج کی عبارت بے سر و پا ہے جو حضرت شاذلی کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ درود تاج حضرت شاذلی کی تصنیف ہے۔ یا نہیں ـــ ہمیں تو صرف یہ بتانا تھا کہ پھلواروی صاحب نے جس چیز کو غلط سمجھا۔ وہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے۔ صحیح کو غلط سمجھنا اور اپنی غلط فہمی کو غلط فہمی نہ کہنا ایسا جہل مرکب ہے جس سے کبھی بھی نجات نہیں مل سکتی۔ کسی نے سچ کہا:-

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابد الدھر بماند

اختتامیہ

ناظرینِ کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ پھلواروی صاحب نے اپنی جس علمی بے بضاعتی کا اعتراف محض بطورِ تکلف فرمایا تھا۔ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آگئی۔ جس پر کتبِ صرف و نحو اور لغتِ عرب کی روشن عبارات سے اٹل شہادتیں ہم نے قائم کردیں۔

علاوہ ازیں ہم نے ان کے پیش کردہ باطل نظریات کا ردِ بلیغ کتاب و سنّت کے دلائل سے بخوبی کر دیا۔ کتبِ تفسیر و حدیث اور علمِ کلام وغیرہ کے حوالہ جات سے بھی پھلواروی صاحب کے دعاوئِ باطلہ کا ابطال ناظرینِ کرام کے سامنے آگیا۔

مقامِ غور ہے کہ جس شخص کے ذہن کو قرآن مجید کی ایک آیت ہمیشہ جھنجوڑتی رہے اور وہ اس کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ کب اس لائق ہوسکتا ہے کہ "امام الصوفیہ" اور "مجتہد العصر" بن کر پہلے بزرگوں کے مقبول اور پسندیدہ وظائف کو غلط اور مشرکانہ کہے اور صالحین امت پر خطائے مشرکانہ کی طعنہ زنی کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں اولیاء اللہ کا بغض چھپا ہوا ہے بقول مولانا رومی جب اللہ تعالےٰ کو ان کی پردہ دری منظور ہوتی ہے۔ تو وہ انہیں اپنے نیک پاک بندوں کے حق میں طعنہ زنی پر مائل کر دیتا ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

مطبوعات کاظمی پبلی کیشنز و بزم سعید ملتان

کتاب	مصنف
ترجمۃ القرآن البیان	غزالی زماں امام اہلسنت حضرت علامہ **سید احمد سعید کاظمی** نور اللہ مرقدہ
تفسیر التبیان پارہ اول	〃 〃 〃
مقالات کاظمی جلد اول	〃 〃 〃
مقالات کاظمی جلد دوم	〃 〃 〃
مقالات کاظمی جلد سوم	〃 〃 〃
خطبات کاظمی حصہ اول	〃 〃 〃
خطبات کاظمی حصہ دوم	〃 〃 〃
خطبات کاظمی حصہ سوم	〃 〃 〃
درود تاج پر اعتراضات کے جوابات	〃 〃 〃
میلاد النبی ﷺ	〃 〃 〃
معراج النبی ﷺ	〃 〃 〃
الحق المبین	〃 〃 〃
حیات النبی ﷺ	〃 〃 〃
تسکین الخواطر	〃 〃 〃
گستاخِ رسول کی سزا قتل	〃 〃 〃
دیوان نور و نکہت	قطب دوراں حضرت علامہ **سید محمد خلیل کاظمی** محدث اعظم امروہہ
رسائل کاظمی	حضرت علامہ صاحبزادہ **سید ارشد سعید کاظمی** دامت برکاتہم العالیہ
قدم الشیخ عبد القادر علی رقاب الاولیاءالاکابر	استاذ العلماء حضرت **علامہ حافظ ممتاز احمد** صاحب چشتی